چوتھا باب

شیخ ابنِ تیمیہ کے عقائد اور ان پر جرح و قدح

مازِ یاراں چشمِ یاری داشتیم — خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم
شیوۂ حیثمت فریبِ جنگ داشت — ما غلط کردیم و صلح انگاشتیم

(پہلے عقائد نمبر وار درج ہیں۔ پھر ان کے بعد ان کے جوابات ہیں)

۱۔ توسل کے تین معنے لئے جاتے ہیں۔ دو مسلمانوں میں متفق علیہ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔
اول نبی صلعم پر ایمان اور آپ کی اطاعت کے ذریعہ وسیلہ چاہنا۔
دوئم۔ آپ کی دُعا و شفاعت کا وسیلہ یعنی جن کے حق میں رسول اللہ صلعم نے دُعا و شفاعت کی۔ وہ اس سے وسیلہ حاصل کریں گے [۱]
۲۔ رسول اللہ صلعم سے آپ کی وفات کے بعد دعائے مغفرت چاہنا۔ تمام صحابہ تابعین اور آئمہ اسلام کے اجماع کے قطعی خلاف ہے۔
۳۔ ملائکہ اور انبیائے صالحین سے ان کی وفات کے بعد اس طرح کا خطاب عام اس سے کہ ان کی قبروں کے واسطے سے ہو۔ یا ان کی عدمِ موجودگی میں ہو یا ان کے بُتوں اور تصویروں کے سامنے ہو۔ ایک عظیم ترین شرک ہے یعنی کہ ملائکہ اور انبیاء سے اُن کی موت کے بعد یا ان کی غیر حاضری میں دُعا چاہنا۔ التجا کرنا۔ استغفار چاہنا۔ شفاعت طلب کرنا دین کا وہ حصہ ہے جس کا خدا نے حکم نہیں دیا۔ نہ کسی صحابی نے اس پر عمل کیا۔ نہ کسی تابعی نے اور نہ کسی امام نے اسے جائز رکھا۔ مردوں کی شان میں قصیدے لکھ کر اُن سے دُعائیں چاہنا۔ مرادیں مانگنا منتیں ماننا اور امداد و اعانت چاہنا۔ اسلام میں نہ

[۱] کتاب الوسیلہ ص ۱۸۔ کتاب الوسیلہ ص ۲۶

مشروع ہے نہ واجب نہ مستحب[۱]۔

۴۔ نہ نبی صلعم نے اور نہ آپ سے پہلے کسی اور نبی نے کہا۔ کہ ملائکہ اور انبیاء وصالحین سے دعائیں مانگو۔ شفاعت چاہو نہ ان کی قبروں سے نہ ان کی غیبت میں اور نہ کسی مُردہ نبی یا بزرگ کو اس طرح مخاطب کرنا جائز ہے کہ اے نبی اللہ اے رسول اللہ خدا سے ہمارے حق میں دُعا کرو۔ مغفرت طلب کرو وغیرہ وغیرہ[۲]

۵۔ کسی امام نے اس کا ذکر کبھی نہیں کیا کہ مناسکِ حج یا کسی اور موقع پر کسی مسلمان کے لئے مستحب ہے کہ رسول اللہ صلعم کی قبر کے سامنے جا کر شفاعت کی درخواست کرے یا اُمت کی دینی یا دنیوی مصیبتوں کی شکایت کر کے دعا کی التجا کرے۔ خود صحابہ پر آپ کی وفات کے بعد طرح طرح کی سختیاں آئیں۔ قحط پڑا۔ غربت نے ستایا۔ خطرہ پیش آیا۔ دشمن کا غلبہ ہوا۔ گناہوں نے گھیرا۔ مگر کہیں ثابت نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی نبی صلعم کی قبر پر گیا ہو اور اُسنے کہا ہو کہ ہم آپ سے یہ شکایت یا شکوہ کرتے ہیں۔ اللہ سے ہمارے لئے یا اپنی اُمت کے لئے رزق فتح یا مغفرت کی دعا کیجئے[۳]

۶۔ نبی صلعم نے انبیاء وصالحین کی قبروں کو مسجد بنانا حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ اس لئے کہ مبادا لوگ ایسی مسجدوں میں محض صاحب قبر کی عقیدت سے اس سے دعا مانگنے یا قبر کو متبرک جان کر اُس کے پاس اللہ سے دُعا مانگنے کو افضل سمجھ کر آنا جانا شروع کر دیں۔ لہذا آپ نے ایسی جگہوں کو اللہ واحد کی عبادت کے لئے کام میں لانے ہی سے روک دیا کہ شرک کا ذریعہ بن جائیں[۴]۔

۷۔ مسلمانوں کی قبروں کی زیارت دو قسم کی ہو گئی۔ شرعی اور بدعتی۔ شرعی زیارت یہ ہے کہ مُردہ کے لئے دُعا کی غرض سے جائیں۔ جس طرح نماز جنازہ میں شرکت دعا کی غرض سے ہوتی ہے۔ قبر پر جانا اور نماز جنازہ پڑھنا دونوں ایک ہی قبیل سے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں

---

[۱] ص ۲۷۔ الوسیلہ۔ [۲] الوسیلہ ص ۲۸۔ الوسیلہ ص ۲۹۔ الوسیلہ ص ۳۱-۳۲۔

میں ہے۔ ولا تقم علیٰ احدٍ منهم مات ابدا ولا تقم علی قبرہٖ[۱] الآیہ پس مومنوں کے جنازوں پر نماز پڑھنا اور ان کی قبروں پر جانا سُنّتِ متواترہ سے ہو گیا ہے۔ اس ضمن میں وہ زیارت بھی ہے جسے زیارتِ مشترکہ کہتے ہیں۔ اور جو کفّار کی قبروں کے لئے جائز ہے۔ اس سے مقصود محض عبرت اور ذکرِ موت ہے۔[۲]

۸۔ زیارت کی دوسری قسم بدعتی ہے۔ اس سے مقصود مُردہ سے منّت ماننا۔ دُعا چاہنا۔ شفاعت طلب کرنا۔ یا براہِ راست خدا سے یہ سمجھ کر دُعا کرنا ہوتا ہے کہ اس قبر کی بندگی کی وجہ سے دُعا قبول ہوگی۔ یہ زیارت اسبابِ شرک سے ہے۔ یہی چیز تھی جس کی وجہ سے پہلے قومِ نوحؑ میں اور پھر دوسری قوموں میں بت پرستی شروع ہوئی۔[۳]

۹۔ بعض بے وقوف لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھتے ہیں۔ یا یہ کہ اُنھوں نے نبی صلعم یا خضر علیہ السّلام یا کسی اور بزرگ کو دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ شیطان ہی ہوتا ہے۔ جو مختلف بھیسوں میں آکر دھوکہ دیتا ہے۔ جس کسی نے اس طرح کی کوئی بات نہ دیکھی۔ یا دیکھنے والے کی تصدیق کی۔ اُس نے ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لیا کہ شخصِ واحد ایک وقت اور ایک حالت میں دو جگہ موجود ہو سکتا ہے۔ جو صریحاً خلافِ عقل ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ دکھائی دینے والی شکل میّت کی روحانیت یا معنوی ہیئت ہے۔ جس نے مادی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہ سب تاویلیں رکیک ہیں۔ اور واقعہ بھی ہوتا ہے کہ جن مُردہ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس طرح کی چیزیں دیکھ کر خیال کرتے ہیں کہ اُنھوں نے فرشتہ دیکھا۔ حالانکہ وہ فرشتہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ فرشتوں اور جنّوں میں بہت فرق ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگوں کو شیاطین ہوا میں دُور دراز ملکوں تک اُڑا لے جاتے ہیں۔ چنانچہ کبھی یومِ عُرفہ میں مکّہ پہنچا دیتے اور اسی دن لوٹا لاتے ہیں۔ جسے کرامت سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ کرامت نہیں شیطانی فعل ہے۔[۴]

۱؎ آیت ۱۰۔۱۷ ۲؎ الوسیلہ ۳۲ تا ۳۴ ۳؎ الوسیلہ ص ۳۴ و ۳۸۔ الوسیلہ ص ۴۱-۴۲

۱۰۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ انبیاء و صالحین کو اُن کی قبروں پر سے یا اُن کی غیر حاضری میں پکارنے والے لوگ اُن مشرکین کے زمرہ میں داخل ہیں جو غیر اللہ سے رجوع کرتے ہیں۔ ستاروں کو یا انبیاء و ملائکہ کو ادبابًا مِنۡ دُوۡنِ اللہ بناتے ہیں۔ اس قسم کی آیتیں قرآن میں بکثرت موجود ہیں۔ جن میں ماسوائے اللہ سے رجوع کرنے کی قطعاً ممانعت کی گئی ہے۔ عام اس سے کہ ملائکہ ہوں یا انبیاء یا کوئی اور۔[۱]

۱۱۔ ملائکہ سے دعا کی التجا کرنا تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ وہ بغیر اس کے بھی مومنین کے لئے دعا استغفار کرتے ہیں۔ اسی طرح مروی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین بھی بغیر کسی التجا کے اُن اخیار اُمت کے لئے دعا کریں گے۔ جن کے بارہ میں خدا اُن کو اجازت دیدیگا۔ اگر ملائکہ کا پکارنا روا نہیں۔ تو مرے ہوئے انبیاء و اولیاء کا پکارنا اور اُن سے دعا و شفاعت چاہنا بھی روا نہیں۔ اگرچہ وہ خدا تعالےٰ کے ہاں دعا و شفاعت کریں گے۔ اور یہ اس لئے کہ (۱) جس کے بارہ میں خدا انہیں دعا و شفاعت کا حکم دیدے گا۔ وہ لامحالہ کریں گے۔ خواہ درخواست کی جائے یا نہ کی جائے۔ اور جس کے بارہ میں حکم نہ ہوگا ہرگز زبان نہ کھولیں گے۔ خواہ کتنی ہی کوئی ناک رگڑے۔ اس لئے ان سے درخواست کرنا فضول ہے۔ (۲) اور اس لئے کہ مرے پیچھے ان کو پکارنا اور ان سے التجا کرنا شرک تک لے جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ مصلحت بھی ہو۔ تو چونکہ شرک کی مضرت موجود ہے اس لئے اس کی وجہ سے ہر مصلحت چھوڑ دی جائے گی۔ لیکن یہاں تو سرے سے ہی کوئی مصلحت موجود نہیں۔ البتہ ان کی زندگی میں یا ان کی موجودگی میں دعا و شفاعت کی التجا کرنا روا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی مضرت موجود نہیں بلکہ منفعت ہے۔[۲]

۱۲۔ مخلوق سے سوال اصل میں حرام۔ ضرورۃً مباح۔ اور توکل کی رو سے اس کا ترک کرنا افضل ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلعم نے صحابہ کی ایک جماعت سے بیعت لی اور اُن کے کان

---

[۱] الوسیلہ ص ۴۷ و ۴۸۔ [۲] الوسیلہ ص ۴۹۔ ۵۰۔

بس کہا کہ لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ ان میں سے بعض کا چابک بھی گر جاتا تو کسی سے نہ
کہتے تھے کہ اٹھا کر دو۔ صحیحین میں ہے کہ میری اُمت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے
جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے نہ داغ
لگواتے اور نہ شگون لیتے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جھاڑ پھونک بھی
ایک قسم کی دُعا ہے۔ اس سے ظاہر ہے وہ لوگ کسی سے دُعا کی بھی خواہش نہیں کرتے
تھے۔ خود نبی صلعم اپنے اور دوسروں کے حق میں دُعا کیا کرتے تھے۔ مگر کسی اور سے
دُعا یا پھونک کی خواہش نہ کرتے تھے۔ نہ صرف آپ ہی بلکہ تمام انبیاء کا یہی حال تھا
نماز میں دُعا کا حکم ہے۔ سجدہ۔ قیام۔ رکوع میں بھی دعا جائز ہے۔ غرض بندہ کا اپنے
رب سے سوال کرنا مستحن اور مشروع ہے۔ یہ تو خود خدا سے دُعا و سوال کا معاملہ ہے۔
برخلاف اس کے مخلوق سے سوال و دُعا کرنا ایک ایسا فعل ہے جس کی اجازت
نہیں دی گئی۔ البتہ علم کے لئے سوال و التجا جائز ہے۔ دیکھو آیات ۱۷-۱-۱۱-۱۵- ۲۵-
۱۰- اور یہ اس لئے کہ علم کی اشاعت واجب ہے نیز حقوق کا طلب کرنا مال فئ
وغیرہ مشترک اموال میں اپنا حصہ طلب کرنا۔ وقف۔ میراث۔ وصیت میں حق مانگنا
ضیافت لینا۔ قرض کا مطالبہ کرنا یہ ایسے سوال ہیں جو مباح ہیں یہی وجہ ہے کہ
حضرت صدیق اکبر اور دوسرے اکابر صحابہ کبھی اپنے لئے آپ سے کوئی سوال حتیٰ کہ
دُعا کی بھی درخواست نہ کرتے تھے۔ البتہ مسلمانوں کے حق میں دُعا کی التجا کرتے
تھے لیکن عامہ مسلمین اپنے حق میں رسول اللہ صلعم سے دُعا کی درخواست کرتے تھے
جیسا کہ انا رحصے نے بینائی کے لئے اور اُم سلیم نے آپ کے خادم انس رض کے لئے دُعا
چاہی اور ابوہریرہ رض نے دُعا کی التجا کی کہ انہیں اور ان کی ماں کو خدا مومنوں کی نظروں
میں محبوب بنا دے۔ ل

ع ل الوسیلہ ص ۵۰ تا ۵۹

۱۳۔ مخلوق سے سوال کرنا نہ واجب ہے نہ مُستحب۔ بجز بعض موقعوں کے کیونکہ مخلوق سے سوال کرنے میں تین خرابیاں ہیں۔ اول غیراللہ کی طرف احتیاج جو شرک کی قسم سے ہے دوم مسئول کی ایذا دہی جو ظلم خلق کی قسم سے ہے۔ سوم غیر اللہ کے سامنے عاجزی جو ظلم نفس کی قسم سے ہے۔ رہا امت کو حضور کا حکم کہ رسول کے لئے دعا کریں۔ یہ تو منجملہ ان حکموں کے ہے جن سے خود اُمت کو نفع ہوتا ہے اور بلاشبہ مسلمانوں کی دعا سے رسول اللہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ مگر یہ ویسا ہی فائدہ ہے جیسا کہ آپ کی بتائی ہوئی دوسری عبادات و اعمال صالح پر مسلمانوں کے عمل سے ہوتا ہے۔ کیونکہ راہِ راست دکھانے والے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔ جتنا کہ اس پر چلنے والے کو۔ مگر والدین کی یہ حالت نہیں۔ انہیں اولاد کے تمام اعمال کا ثواب نہیں ملتا۔ بلکہ اُن کی دُعا وغیرہ سے نفع ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اذا مات ابن آدم انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریۃ وعلم ینفع بہ و ولد صالح یدعولہ[۱]

۱۴۔ پھر نبی صلعم نے اُمت سے دعا کی طلب جو کی ہے۔ وہ حکم و ترغیب ہے۔ سوال نہیں۔ چنانچہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں۔ اور خود خدا نے بھی یہی حکم دیا ہے۔ اس طرح آپ نے حکم دیا ہے کہ ہم آپ کے لئے وسیلہ فضیلہ اور مقام محمود کی دعا کریں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے۔ جو احمد۔ ابُو داؤد۔ ترمذی اور ابنِ ماجہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے نبی صلعم سے عمرہ کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دی۔ اور فرمایا۔ لا تنسنا یا اخی من دعائک اس میں رسول اللہ صلعم نے حضرت عمرؓ سے دعا کی اس طرح خواہش کی جس طرح باقی اُمت سے صلوٰۃ و سلام۔ وسیلہ۔ فضیلہ کی طلب کی خواہش کی۔ اگر کوئی کسی سے کہے کہ میرے لئے دعا کرو۔ اور نیت یہ ہو کہ خود دُعا کرنے والے کو اپنی دعا سے

---

[۱] الوسیلہ۔ ص ۶۲۔

نفع ہو۔ نیز کہنے والے کو بھی اپنی اس نیک تعلیم کا اجر ملے تو ایسا شخص نبی صلعم کے
نقشِ قدم پر چلنے والا ہے۔ لیکن اگر نیت یہ نہ ہو اور دُعا کرنے والے کے نفع کا خیال
نہ ہو تو ایسا سوال ناپسندیدہ اور قابلِ اعتراض ہے۔ برخلاف اس کے میت سے
سوال نہ مشروع ہے نہ واجب اور نہ مستحب بلکہ مباح بھی نہیں۔ اسے صحابہ اور
تابعین میں سے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔ نہ سلف صالحین میں سے کسی نے
اسے مستحب بنایا۔ جنازہ پہ نماز اور اس کے لئے دُعا اور نہ قبور مومنین کی زیارت عبادات
سے ہے۔ لیکن شیطان نے اپنے پیروؤں کو گمراہ کر دیا ہے۔ اور وہ انبیاء وصالحین
کی قبروں کی زیارت محض اس لئے کرتے ہیں کہ اُن سے سوال کریں یا اُن کے
پاس سوال کریں۔ اس سے یہ لوگ مُشرک بن جاتے ہیں[1]

۱۵- کہاں صرف ایک اکیلے خدا کی طرف رجُوع۔ رغبت۔ امید۔ توکل کے ذریعہ سے
توحید خالص کا نمونہ بننا اور کہاں مخلوق کی طرف رجوع۔ رغبت۔ امید اور غیر اللہ سے خدا
کی سی محبت کر کے خالق کے ساتھ شرک کرنا[2]

۱۶- وہ وسیلہ جس کے چاہنے کا خدا وابتغوا الیہ الوسیلہ میں حکم دیتا ہے۔ تمام تر
یہی ہے کہ رسول اللہ صلعم کی پیروی کے ذریعہ سے تقرب حاصل کیا جائے۔ اس کے
سوا خدا تک کسی کے لئے کوئی اور وسیلہ نہیں۔ ایک وسیلہ خاص رسول اللہ صلعم کے لئے
ہے۔ جیسا کہ آتِ محمداً الوسیلہ والفضیلہ وابعثہ مقاما محمودا الذی وابعثہ کی دُعا
میں ہے۔ آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ کے لئے یہ دعا کریں۔ نیز آپ نے بشارت دی
ہے کہ جو کوئی آپ کے لئے وسیلہ طلب کرے گا۔ اس کے لئے قیامت کے دن آپ کی
شفاعت ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کے لئے دعا کریں گے اور آپ
ہمارے لئے دعا کریں گے۔ کیونکہ شفاعت بھی دعا کی قسم سے ہے۔[3]

---

[1] الوسیلہ ص ۶۳ تا ۶۶ [2] الوسیلہ ص ۶۷ [3] الوسیلہ ص ۴۷ و ۵۷

۱۷- تیسری قسم وسیلہ کی یہ ہے کہ خدا کو رسول اللہ صلعم کی قسمیں دلائیں یا آپ کی ذات سے وسیلہ چاہیں۔ یہ معنی وسیلہ سنت میں کہیں بھی وارد نہیں ہوا ہے۔ صحابہ نے نبی صلعم کی وفات کے بعد آپ کے چچا عباس کا وسیلہ چاہا۔ جیسا کہ استسقا کے باب میں وارد ہے یہ وسیلہ عباس کی دعا کا تھا۔ ذات کا نہ تھا۔ جب آپ کی دُعا کا وسیلہ نہیں چاہا گیا بلکہ عباس کی دعا کا وسیلہ چاہا گیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دُعا جو آپ کی زندگی میں ہوتی تھی آپ کے وصال کے بعد ناممکن ہوگئی۔[1]

۱۸- آپ کی ذات کا وسیلہ نہ تو استسقا میں نہ کسی اور موقع پر نہ آپ کی زندگی میں نہ آپ کی وفات کے بعد۔ نہ آپ کی قبر پر نہ کسی اور کی قبر پر اور نہ آپ کی مشہور دعاؤں میں کہیں وارد ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ بشر الولید نے ابو یوسف سے روایت کی ہے کہ ابوحنیفہ ہم سے کہا کرتے تھے کہ کسی کے لئے خدا سے بجز اس کی ذات کے حوالے سے دُعا روا نہیں ہیں دُعا میں بحق خلقک کہنا ناپسند کرتا ہوں اور یہی قول ابو یوسف کا بھی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں دُعا میں بحق فلاں یا بحق انبیائک ورسلک وبحق البیت الحرام والمشعر الحرام کہنا ناپسند کرتا ہوں۔ قدوری کا قول ہے۔ کہ خدا سے اس کی مخلوق کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہیں۔[2]

۱۹- کسی محترم چیز کے حوالہ سے سوال مثلاً انبیاء کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرنا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ اے خدا تیرے ملائکہ وانبیاء وصالحین میں سے فلاں فلاں کے حق عزت و حرمت کا تجھے واسطہ دیتا ہوں تو یہ بات اس وقت مفید مطلب ہوگی۔ جب کہ ان کی لائی ہوئی ہدایت کی اطاعت کی جائے۔ لیکن اگر اطاعت موجود نہ ہو۔ تو پھر ان کی عزت و حرمت کے حوالہ سے دعا کچھ مفید نہ ہوگی۔

---

[1] الوسیلہ ص ۷۵ - [2] الوسیلہ ص ۷۶ و ۷۷

ہاں اگر سائل محمد صلعم پر اپنے ایمان۔ آپ کی محبت و اطاعت کا حوالہ دے کر سوال کرے۔ تو بلاشبہ یہ دعا ایک بڑے سبب پر مبنی ہوگی۔ جو اجابت کا ایک ذریعہ ہے [۱]

۲۰۔ انبیاء کے حق کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے سوال جائز ہے۔ [۳]

۲۱۔ اگر اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ کو اس معنی پر محمول کیا جائے کہ میں محمد صلعم کے ایمان و محبت کے ساتھ سوال کرتا۔ اور اس ایمان و محبت کو وسیلہ بناتا ہوں۔ تو پھر اس کے درست ہونے میں کلام نہیں۔ اور اگر یہی معنی بعض صحابہ و تابعین و امام احمد وغیرہ کا نبی صلعم کو وصال کے بعد بھی وسیلہ قرار دینے کے لئے جائیں تو ٹھیک ہے۔ اگر اس طرح نبی صلعم کی دعا و شفاعت کا وسیلہ چاہنا مراد ہو۔ جیسا کہ اصحابہ کا دستور تھا۔ تو یہ بھی بلا نزاع جائز ہے۔ اسی طرح رشتہ کا حوالہ دیکر سوال کرنا درست ہے۔ جیسا کہ واتقوا اللہ الذی تسآءلون بہ والارحام میں ہے [۵]

۲۲۔ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ خدا سے کسی مخلوق کے واسطے سے سوال کرنا جائز نہیں۔ عام اس سے کہ انبیاء ہوں یا کوئی اور اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کو اس کی مخلوق کی قسم دلانا۔ اور یہ باتفاق جمہور علماء ممنوع ہے۔ دوم یہ کہ کسی مخلوق کے ذریعہ سے سوال دعا۔ تو اسے بعض نے جائز بتایا ہے۔ اور بعض سلف سے بھی اس میں آثار منقول ہیں۔ اور بہت سے اور لوگوں کی دعاؤں میں بھی اسی طرح الفاظ آئے ہیں لیکن نبی صلعم سے جو کچھ مروی ہے۔ وہ ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ نابینا والی حدیث بھی حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ اندھے نے آپ کی دعا و شفاعت کا وسیلہ چاہا تھا۔ اور یہ آپ کے معجزات سے تھا اور اندھے اب اس دعا کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ کیونکہ اب اس طرح کے وسیلہ سے ان کی بینائی واپس نہ آئے گی [۶]

۲۳۔ قسم اور سوال میں فرق ہے۔ سوال عاجزی ہے۔ مگر قسم اس سے مختلف ہے۔

---

[۱] الوسیلہ ص ۸۶ تا ۸۸ و ۹۰ تا ۹۶ [۳] الوسیلہ ص ۹۰ : ۹۶ [۵] الوسیلہ ص ۹۹ و ۱۰۰ [۶] الوسیلہ ص ۱۰۱ و ۱۰۲

حق تعالیٰ کے حضور میں سوال ہو سکتا ہے۔ اور ہر ایک کی دُعا قبول ہو سکتی ہے۔ مگر قسم پوری کر دینے کا امتیاز اس نے اپنے خاص خاص بندوں کو دیا ہے۔[۱]

۲۴۔ انبیاء کے حوالہ سے سوال ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے ناجائز قرار دیا ہے مشہور مذہب مالکی میں اس کے خلاف کوئی بات نہیں ملتی۔ امام مالک اور ان کے اصحاب سے اس بارے میں کوئی روایت منقول نہیں۔ یہ کہیں مذکور نہیں کہ صحابہ میں سے کسی نے بھی خود آپ کی زندگی میں آپ کی ذات یا کسی اور مخلوق کی ذات کے واسطہ سے استسقا یا کسی اور موقع پر سوال کیا ہو۔[۲]

۲۵۔ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے اصحاب نے کہا ہے کہ استسقا میں اہلِ خیر و صلاح کی دعا کا وسیلہ ڈھونڈنا چاہئے۔ اگر رسول اللہ صلعم کے رشتہ دار موجود ہوں تو حضرت عمر کی پیروی میں اُن کا وسیلہ افضل ہے۔ لیکن کسی اہلِ علم نے بھی نہیں کہا کہ نبی یا غیر نبی یا کسی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے استسقاء میں دُعا کرنا روا ہے۔[۲]

۲۶۔ قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفا میں وہ روایتیں نقل کی ہیں جو امام مالک اور اصحاب مالک سے مشہور ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی صلعم کی عزّت و حُرمت وفات کے بعد بھی ویسی ہی ضروری ہے جیسی کہ حیات میں تھی۔[۳]

۲۷۔ امام مالکؒ اور دوسرے آئمہ نے بھی کہا ہے کہ مسجدِ نبویؐ میں رسول اللہ صلعم پر سلام کے بعد اگر اپنے لئے دُعا کا ارادہ ہو تو قبلہ کی طرف رُخ کرنا چاہئے۔ نہ کہ آپ کی قبر کی طرف۔ ہاں سلام اور آپ کے لئے دُعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف رُخ کرنا چاہئے امام مالکؒ نے قبر نبوی کے پاس زیادہ دیر تک کھڑے ہونے کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔[۴]

۲۸۔ قاضی عیاض نے مبسوط میں امام مالک سے نقل کی ہے۔ کہ "میرے نزدیک قبر نبوی پر کھڑے ہو کر دعا نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ سلام کر کے ہٹ جانا چاہئے۔ کیونکہ نافع

[۱] الوسیلہ ص ۱۰۲ [۲] الوسیلہ ص ۱۰۳ و ۱۰۴ [۲] الوسیلہ ص ۱۰۴ [۳] الوسیلہ ص ۵ [۴] الوسیلہ ص ۱۰۹۔

کہتے ہیں۔ کہ ابنِ عمر کو ہیں نے سینکڑوں مرتبہ دیکھا۔ کہ قبر مبارک پر آتے اور کہتے بنی صلعم پر سلام۔ ابوبکرؓ پہ سلام۔ میرے باپ پر سلام پھر چلے جاتے۔ نیز ابن عمر کو دیکھا گیا کہ منبر پہ بنی صلعم کی نشست پہ ہاتھ رکھتے۔ پھر اپنے چہرہ پہ ملتے تھے۔[۱]

۲۹- دوسرے لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ مالک نے مبسوط میں کہا کہ اہل مدینہ میں سے جو کوئی مسجد میں داخل ہو یا باہر نکلے اس کے لئے قبر پہ کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ یہ صرف پردیسیوں کے لئے رہے ہے۔ نیز مبسوط میں مالک کا قول ہے کہ سفر پہ جانے اور سفر سے لوٹنے والوں کے لئے قبر اطہر پہ کھڑے ہونا ناجائز نہیں اور جو لوگ بغیر سفر کے ایسا کرتے ہیں اور کبھی دن میں ایک مرتبہ۔ کبھی اس سے بھی زیادہ مرتبہ قبر کے پاس کھڑے ہوتے سلام کرتے اور دیر تک دُعا کرتے رہتے ہیں۔ اس کا ترک کرنا امام مالک کے نزدیک اولیٰ ہے۔ کیونکہ حدیثِ نبوی ہے۔ لا تجعلوا قبری عیداً یعنی میری قبر کو بار بار آنے جانے کی جگہ نہ بناؤ۔[۲]

۳۰- بنی صلعم کی قبر کے پاس یا آپ کے وصال کے بعد آپ سے دُعا کرنا مراد یں مانگنا۔ سفارش و شفاعت چاہنا۔ ایک ایسا فعل ہے جو سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔ اگر ایسا کرنا مشروع ہوتا۔ تو صحابہ ضرور کرتے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ ایک منقطع حکایت میں امام مالک کی طرف یہ الفاظ منسوب کرنا کہ رسول اللہ صلعم کی طرف رخ کرو اور آپ سے شفاعت چاہو۔ امام موصوف پر بہتان باندھنا ہے۔[۳]

۳۱- قبر شریف کے پاس سلام کو امام احمد اور دوسرے اماموں نے حیوہ ابن شریح المصری کی حدیث کی بنا پہ جائز بتایا ہے۔ اس میں ہے ما منا احد یسلم علی الا رد اللہ روحی حتی ارد علیہ السلام مگر قبر انور کی زیارت کی حدیثیں سب کی سب ضعیف اور ناقابلِ التفات ہیں۔[۴]

[۱] الوسیلہ ص ۱۰۹ و ۱۱۰ [۲] الوسیلہ ص ۱۱۰ و ۱۱۱ [۳] الوسیلہ ص ۱۱۲ [۴] الوسیلہ ص ۱۱۳

۳۲- قبرِ نبوی کی زیارت باتفاق جملہ اہلِ اسلام واجب نہیں۔ بلکہ اس کے ارادہ سے سفر کا بھی حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس سفر سے منع ہی کر دیا گیا ہے۔ ہاں مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز کے لئے سفر مُستحب اور حج کے لئے کعبہ کا سفر فرض ہے۔[۱]

۳۳- تمام آئمہ متفق ہیں کہ اگر نبی صلعم یا دوسرے انبیاء و صالحین کی قبروں کی زیارت کے لئے منّت مانی گئی۔ تو اسے پورا کرنا روا نہیں۔ اس کے خلاف مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز کی منّت کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس بارے میں امام شافعی سے دو قول مروی ہیں۔ ایک یہ کہ اس منت کا پورا کرنا واجب ہے۔ اور یہی امام احمد اور امام مالک کا مذہب ہے۔ دوسرا قول یہ کہ واجب نہیں اور یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ کیونکہ ان کا اصول یہ ہے کہ نذر اُسی فعل کی واجب ہو گی جو خود شرعاً واجب ہے۔[۲]

۳۴- امام مالک اس قول تک کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ کہ "میں نے قبرِ نبوی کی زیارت کی"، کیونکہ اس میں بدعتی زیارت بھی داخل ہے۔ بدعتی زیارت مُردوں سے دعائیں مانگنا منتیں ماننا۔ قبروں کے پاس دُعائیں مانگنا یا فوت شدہ انبیاء و صالحین کے ذات کے حوالہ سے سوال کرنا ہے۔ چونکہ لفظ زیارت مشتبہ و مجمل اور حق و باطل دونوں کو مشتمل ہے۔ اس لئے امام مالک نے اسے ناپسند کیا۔[۳]

۳۵- جو لوگ انبیاء و صالحین کی قبروں پر جاتے ہیں تاکہ وہاں نماز پڑھیں یا دُعا کریں وہ حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ البتہ مُردہ کے حق میں دُعا کرنے کے لیے جانا درست ہے۔[۴]

۳۶- مخلوق کی ذات کے حوالے سے دُعا کے متعلق جتنی حدیثیں بھی مروی ہیں وہ نہایت ضعیف بلکہ سراسر موضوع ہیں۔ آئمہ اسلام میں سے کسی نے بھی ان سے استدلال نہیں کیا ہے۔ اسی طرح کی وہ حدیث ہے جو عبدالملک بن ہارون بن عمرہ عن ابیہ عن جدہ

[۱] الوسیلہ ص ۱۱۴ [۲] الوسیلہ ص ۱۱۴ و ۱۱۵ [۳] الوسیلہ ص ۱۱۵ [۴] الوسیلہ ص ۱۱۶۔

ے روایت کی جاتی ہے۔ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں:۔ اللھم انی اسئلک بحمد نبیک
وبا براھیم خلیلک الخ۔ اسی طرح کی وہ حدیث ہے۔ جو عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے
باپ اور دادا کے واسطہ سے حضرت عمرؓ سے مرفوعاً وموقوفاً روایت کی ہے۔ اس حدیث
میں آدم علیہ السلام کی دعا ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے: یا رب انی اسئلک بحق محمدؐ
اسی قبیل سے وہ حدیث ہے۔ جسے موسیٰ بن عبد الرحمٰن صفال نے ابن عباس سے
روایت کی ہے۔ اس باب میں جو آثار سلف سے مروی ہیں وہ بھی اکثر ضعیف ہیں [1]

۳۷۔ نابینا والی حدیث وسیلہ کی دوسری قسم میں داخل ہے۔ یعنی اس میں نبی صلعم
کی دعا سے وسیلہ ہے نہ کہ آپ کی ذات سے [2]

۳۸۔ آپ کی ذات کے حوالے سے دعا کرنا بہت سے علماء نے ناجائز بتایا ہے اور
اگر بعض نے جائز بتایا ہے تو پھر یہ مختلف فیہ مسئلہ ہوا۔ بہت سے علماء نے اس طرح
دعا کرنے سے منع کیا ہے [3]

۳۹۔ اللہ تعالیٰ نے ماسوا سے دلوں کا رشتہ بالکل کاٹ دیا ہے۔ نہ رغبت
جائز رکھی ہے نہ رہبت نہ عبادت اور نہ استعانت۔ غرضیکہ کوئی ایسی چیز باقی نہیں رکھی
ہے۔ جس میں شرک کا ادنےٰ سا شائبہ بھی ہو۔ ہاں ایک شفاعت رکھی ہے مگر اس کے
بارے میں بھی فرما دیا ہے ولا ینفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ آیت (۲۲-۹) [4]

۴۰۔ مخلوقات کے حوالہ سے دعا جن کی خدا نے قسم کھائی اور جنہیں بزرگی دی۔ اگر
جائز ہے تو ان سب کے حوالہ سے جائز ہے۔ اگر جائز نہیں تو کسی کے حوالہ سے بھی
جائز نہیں۔ رہی محترم مخلوقات میں تفریق کہ بعض کے حوالہ سے دعا کریں گے اور
بعض کے حوالہ سے نہیں۔ سو یہ تفریق ویسی ہے جیسی کہ بعضوں نے قسم کے معاملہ
میں کی ہے۔ کہ فلاں مخلوق کی قسم کھانا جائز ہے اور فلاں کی نہیں۔ یہ دو تفریقیں باطل

[1] الوسیلہ ص ۱۳۱ تا ۱۳۴ [2] الوسیلہ ص ۵۴ تا ۱۵۶-۲۶۲-۲۱۲ تا ۲۱۴ [3] الوسیلہ ص ۱۶۳ تا ۱۶۹-۲۲۸
[4] الوسیلہ ص ۱۷۳

اور بے بنیاد ہیں۔ اسی طرح اگر یہ تفریق کی جائے کہ جن مخلوقات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان کی قسم کھائی جائے۔ اور اُن کے واسطہ سے دعا کی جائے اور جن پر ایمان لانا ضروری نہیں ان کی قسم نہ کھائی جائے اور نہ ان کے واسطہ سے دعا کی جائے تو اس صورت میں بھی کہا جائے گا۔ کہ کیا ملائکہ۔ انبیا۔ منکر نکیر۔ جنّت کے حور و غلمان وغیرہ تمام چیزوں کی قسم کھاؤ گے اور ان کے واسطہ سے دعا کرو گے۔ کیونکہ ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی تفریق نہ دعا میں ہو سکتی ہے اور نہ قسم میں۔ یہ سب ناجائز ہے۔ [۱]

۴۱۔ نبی صلعم کی دُعا و شفاعت سے وسیلہ دو طرح پر ہو گا۔ ایک یہ کہ آپ سے درخواست کی جائے اور آپ دُعا و شفاعت فرمائیں۔ جیسا کہ آپ کی زندگی میں ہوتا تھا۔ اور جیسا کہ قیامت کو ہو گا۔ دوسرے یہ کہ آپ سے درخواست کے ساتھ خدا سے دُعا کی جائے کہ آپ کی دعا و شفاعت اللہ تعالےٰ قبول فرمائے۔ جیسا کہ نابینا والی حدیث میں ہے کہ آپ نے نابینا کو دُعا کا بھی حکم دیا تھا۔ آپ کی دُعا و شفاعت سے وسیلہ اُسی وقت وسیلہ ہے۔ جب کہ آپ دُعا کریں ورنہ وہ وسیلہ ہی نہیں ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلعم کی اطاعت اور آپ کی شفاعت دونوں وسیلوں کے لئے ضروری ہے۔ کہ خود وسیلہ چاہنے والا بھی ساتھ ساتھ دُعا کرے [۲]

۴۲۔ استشفاع اور توسل کی حقیقت صرف دُعا چاہتی ہے نہ کچھ اور [۳]

۴۳۔ رسول اللہ صلعم سے استسقا۔ استشفاع اور توسل صرف آپ کی زندگی میں ہو سکتا تھا۔ بعد وفات ممکن نہیں۔ [۴]

۴۴۔ آپ کا اُمت سے اپنے لئے دُعا چاہنا۔ مخلوق کے مخلوق سے سوال کرنے کی قسم میں داخل نہیں [۵]

[۱] الوسیلہ ص ۱۶۷ ۱۶۸۔ ۱۷۵ تا ۱۹۱ [۲] وسیلہ ص ۱۹۹ [۳] الوسیلہ۔ ص ۲۰۰ تا ۲۰۲ [۴] الوسیلہ ص ۲۰۵ ۲۰۶۔ ۲۱۰۔ الوسیلہ ص ۲۶۵ تا ۲۱۷

۴۵- جن چیزوں کی قدرت خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ان میں ملائکہ وانبیا کی طرف رجوع جائز نہیں۔ پس خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی مخلوق سے یہ کہنا روا نہیں کہ ہمیں بخش دو۔ سیراب کرو۔ کافروں پر فتحیاب کرو ہدایت دو۔ کیونکہ ان باتوں کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔[1]

۴۶- انبیاء ملائکہ کے پکارنے اور اُن سے دعا طلب کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کر دیا ہے۔ حالانکہ خود اُسی نے ہمیں یہ خبر بھی دی ہے کہ ملائکہ ہمارے لئے دعائیں کرتے اور مغفرت چاہتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ہمارے لئے روا نہیں۔ کہ ہم اُن سے اس کی درخواست کریں۔ اسی طرح انبیاء وصالحین گو کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہی ہوں۔ گو کہ وہ زندوں کے حق میں دعا ہی کرتے ہوں لیکن کسی کے لئے جائز نہیں کہ اُن سے یہ چیز طلب کرے۔ بالخصوص جب کہ سلفِ صالح میں سے کسی ایک نے بھی کبھی ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ یہ اُن کی عبادت اور ان کے شرک کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ برخلاف اس کے زندگی میں اُن سے اس طرح کی التجا کرنے سے شرک کا اندیشہ نہیں۔[2]

۴۷- ملائکہ اور انبیاء وصالحین موت کے بعد زندوں کے لئے جو کچھ دعائیں کرتے ہیں وہ قانونِ قدرت کے ماتحت کرتے ہیں۔ اور برابر کرتے رہیں گے۔ عام اس سے کہ اُن سے دُعا کی درخواست کی جائے یا نہ کی جائے۔ سائل کی درخواست اُن پر بالکل غیر مؤثر ہے۔ کیونکہ سائل کی غرض پوری کرنے کا حکم اس دار التکلیف میں ہے۔ جس سے مرجانے کے بعد وہ قدرتاً مستثنیٰ ہو گئے ہیں۔[3]

۴۸- مخلوقات سے پناہ مانگنا بھی جائز نہیں۔ پناہ صرف اللہ اور اس کے اسماء و صفات سے ہی مانگنا چاہیے۔[4]

۴۹- وسیلہ کا دوسرا نام اعمال صالح ہے۔

[1] الوسیلہ ص ۲۱۳ و ۲۱۷۔ [2] الوسیلہ ص ۲۱۸ و ۲۱۹ [3] الوسیلہ ص ۲۱۹ تا ۲۲۲ و ۴۶ [4] الوسیلہ ص ۲۲۷

۵۰ - میت سے کوئی درخواست کرنا بالکل بے فائدہ ہے۔ کیونکہ وہ اس سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتے۔ جو کچھ قدرت نے مقدر کر دیا ہے۔ اُس پر مُردے عمل کرتے ہیں اور جو نہیں کیا اُس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ جیساکہ ملائکہ صرف حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں [۱]

۵۱ - مخلوق سے سوال و دُعا کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ البتہ علم کے لئے سوال و التجا جائز بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون (۱۷-۱) نیز حقوق کا طلب کرنا مال فی وغیرہ مشترکہ اموال میں اپنا حصہ طلب کرنا۔ وقف۔ میراث۔ وصیّت میں حق مانگنا۔ ضیافت لینا۔ قرض کا مطالبہ کرنا ایسے سوال ہیں جو مباح ہیں [۲]

۵۲ - جو نام اکثر عبادت گزار اور عام لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ مثلاً غوث جو مکہ میں ہوتا ہے اور چار اوتاد۔ سات قطب۔ چالیس ابدال اور تین سو نجباء یہ نام کتاب اللہ میں موجود نہیں۔ اور نہ یہ نبی صلعم سے مروی ہیں۔ نہ تو اسناد صحیح سے اور نہ ضعیف محتمل سے سوائے لفظ ابدال کے جن کی نسبت ایک حدیث منقطع الاسناد حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے مروی ہے۔ اور یہ نبی صلعم تک مرفوع ہے۔ یہ نام اس ترتیب پر کلامِ سلف میں بھی نہیں پائے گئے ہیں۔ اور نہ اس ترتیب پر ان مشائخ سے منقول ہیں جو عامۃ الناس کے نزدیک مقبول ہیں۔ [۳]

۵۳ - یہ نام اس عدد۔ ترتیب اور ان طبقوں کے ساتھ ہر تہ ملانے میں حق نہیں ہو سکتے۔ بلکہ قطعی طور پر یہ بات واجب ہے کہ یہ نام اس عموم اور اطلاق کی بناء پر باطل ہیں۔ کیونکہ مومن کبھی کم ہوتے ہیں۔ اور کبھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اور مختلف مقامات میں ہوتے ہیں اور یہ لازمی بات نہیں کہ اولیاء اللہ اہل تقویٰ و ایمان اور مقربون السابقون تمام زمانوں میں ایک مقام میں ہوں [۴]

---

[۱] الوسیلہ ص ۶۴ [۲] الوسیلہ ص ۵۶-۵۷ - [۳] [۴] دیکھئے مجموعۃ الرسائل ابن تیمیہ جلد اول۔ ص ۴۴ و ۴۷

۵۴- رسول اللہ صلعم نے اور آپ کے صحابہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ دارِ ہجرۃ و سنتہ و نصرت تھا۔ اور مستقر نبوت و مقام خلافت اور نبوت تھا۔ اُسی کے اندر خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ سے بیعت منعقد ہوئی۔ اور یہ محال ہے کہ اس زمانے میں مکہ میں کچھ ایسے لوگ موجود تھے جو ان سے افضل تھے۔ پھر اسلام مشارق و مغارب میں پھیلا۔ اور مومنوں میں اولیاء اللہ ہر وقت موجود ہوتے تھے۔ بلکہ صدیق۔ سالک کی تعداد اس قدر تھی جن کا حساب سوائے پروردگار عالمین کے کوئی نہ جانتا تھا۔ ان کی تعداد ۳۰۰ یا تین ہزار نہ تھی۔ اسی طرح ان قرونِ ثلاثہ کے بعد بھی قرونِ گزشتہ میں اولیاء اللہ تھے جو کوئی ان کی تعداد معین کر دے وہ ظالم ہے۔ لہ

۵۵- لفظ غوث یا غیاث کا مستحق اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہی مستغیثین کا غیاث ہے۔ اُس کے بعد کسی سے استغاثہ جائز نہیں۔ نہ ملک مقرب سے اور نہ نبی مرسل سے۔ اور جس نے یہ خیال کیا کہ اہلِ ارض اپنی حاجتیں جن کے ذریعہ وہ تکلیف کا ازالہ اور نزولِ رحمت چاہتے ہیں تین سو کے پاس لے جاتے ہیں۔ تین سو ستر کے پاس۔ ستر چالیس کے پاس۔ چالیس سات کے پاس۔ سات چار کے پاس اور چار غوث کے پاس لے جاتے ہیں۔ وہ کاذب گمراہ اور مشرک ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے مشرکوں کی نسبت خبر دی ہے۔ واذا مسّکم الضر فی البحر ضل من تدعون الا ایاہ امن یجیب المضطر اذا دعاہ الآیہ پس مومن کس طرح اللہ کے پاس حجاب کے چند واسطوں سے اپنی حاجتیں لے جا سکتے ہیں جب کہ وہ خود کہتا ہے واذا سالک عبادی عنی فانی قریب۔ اُجیب دعوۃ الداع اذا دعانِ فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلہم یرشدون۔ الآیہ۔ اور حضرت خلیل علیہ السلام نے اہلِ مکہ کے لئے دُعا کرتے ہوئے یہ کہا۔ ربّنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ

لہ مجموعۃ الرسائل والمسائل ابن تیمیہ حصہ اول ص ۴۷ و ۴۸۔

فاجعل افئدة من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون۔ ربنا انک تعلم ما نخفی وما نعلن وما یخفی علی اللہ من شئ فی الارض ولا فی السماء الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل واسحاق ان ربی لسمیع الدعاء۔ اور نبی صلعم نے اپنے اصحاب کو کہا جب کہ انہوں نے تلبیہ میں آوازیں بلند کیں۔ اے لوگو! آہستگی سے کام لو کیونکہ تم گونگے کو نہیں بلاتے ہو اور نہ غائب کو۔ بلکہ تم تو جس کو بلاتے ہو وہ تمہاری رگ جاں سے بھی زیادہ تمہارے نزدیک ہے۔ لہ

۵۶۔ قطب کا لفظ بھی ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ کہ فلاں شخص قطبوں میں سے ہے اور فلاں قطب ہے۔ جس شخص پر کسی امر دین و دنیا کا باطنی یا ظاہری طور مدار ہو۔ وہ اس امر کا قطب اور اس کا مدار ہے۔ خواہ اس پر اس کے گھر۔ دیہہ اور شہر کا کوئی دینی یا دنیوی امر باطنی ظاہری طور منحصر ہو اور اس معنی میں سات کے ساتھ یا اس سے کم یا زیادہ کے ساتھ اختصاص نہیں۔ لیکن اس معنی میں ممدوح وہ ہے جو صلاح دنیا چھوڑ کر صلاحِ دین کا مدار ہو۔ یہی شخص ان کے عُرف میں قطب ہے۔ اور کبھی اتفاق ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں اللہ کے یہاں دو یا تین فضیلت میں ہم مرتبہ ہوں۔ لیکن یہ لازمی بات نہیں کہ ہر زمانے میں ایک ہی شخص ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمام خلقت سے افضل ہو۔ اور اسی طرح لفظ بدل اُن کے کلام میں بہت آیا ہے لیکن حدیث مرفوع کی نسبت زیادہ مناسب یہ ہے کہ وہ نبی صلعم کے کلام سے نہیں۔ کیونکہ ایمان فتوح شام کے قبل حجاز اور یمن میں تھا۔ اور شام اور عراق کفر کا گھر تھے۔ اس کے علاوہ خلافتِ علیؓ کے متعلق نبی صلعم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نکلنے والے (خوارج) نکلیں گے۔ مسلمانوں کے ایک بہتر فرقہ پر۔ اور اُن کے ساتھ مسلمانوں میں سے وہ فرقہ لڑے گا جو حق پر ہوگا۔ سو علی اور ان کے اصحاب حق کے زیادہ نزدیک تھے۔ ان لوگوں سے جو ان کے ساتھ لڑے اور جو اہل شام سے

لہ مجموعۃ الرسائل والمسائل حصہ اول ص ۴۷ و ۴۸

تھے۔ ان لوگوں سے افضل تھے۔ جو معاویہ کے ساتھ تھے۔ سعد بن ابی وقاص اور
ان جیسے جو شامل جنگ نہ ہوئے وہ دونوں فرقوں سے افضل تھے۔ پس اس بات کی
موجودگی میں بیاعتقاد کس طرح رکھا جا سکتا ہے کہ تمام ابدال جو افضل خلق ہیں شام میں
ہوتے ہیں۔ یہ بات قطعی طور پر باطل ہے۔ اگرچہ شام اور اہلِ شام کے بارے میں فضائل
مفروضہ وارد ہوئے ہیں سلہ

۵۷۔ اسی طرح جو چالیس ابدالوں کی نسبت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ وہ لوگ ہیں۔
جن کی وجہ سے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے۔ اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ یہ باطل ہے۔ بلکہ
مدد اور رزق مختلف اسباب سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان اسباب میں سے زیادہ موکد
مسلمانوں مومنوں کی دعا اُن کی نمازیں اور اُن کا اخلاص ہے۔ اور یہ بات چالیس کے
اندر مقید نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ ان سے تھوڑی ہی تعداد میں اور نہ زیادہ میں۔ جیسا کہ
مشہور حدیث میں ہے۔ کیا اس کو بھی وہی حصہ ملتا ہے۔ جو ضعیفوں کو ملتا ہے۔ آپ
نے فرمایا اے سعد کیا تم مدد نہیں کئے جاتے اور رزق نہیں دئے جاتے۔ مگر ضعیفوں
کی وجہ سے اُن کی دعاؤں اُن کی نمازوں اور اُن کے اخلاص کی وجہ سے اور کبھی مدد اور
رزق کے اور اسباب بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ کافر اور فاجر بھی مدد اور رزق دئے جاتے
ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ مسلمانوں پر بھی قحط ڈالتا ہے۔ اور اُن کو اُن کے دشمن سے ڈراتا ہے
تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کرے۔ اور اپنے گناہوں سے تائب ہوں۔ سو وہ اُن کے
لئے گناہوں کا بخشنا اور تکلیفات کا دُور کرنا جمع کرتا ہے۔ اور وہ کبھی کافروں پر استغناء
اور کثرت بھیجتا ہے اور اُن پر باران رحمت برساتا ہے۔ اور اُن کے لئے اموال و اولاد
بڑھاتا ہے۔ اور اُن کو درجے درجے سے گزارتا ہے۔ اس طرح سے کہ لوگوں کو معلوم ہی
نہیں ہوتا۔ اور یہ اس لئے کہ وہ یا تو اُن کو دُنیا میں ہی پکڑتا ہے۔ جیسا کہ عزیز و مقتدر کا

سلہ مجموعہ الرسائل المسائل ابن تیمیہ جلد اوّل ص ۴۹۔ ۵۰۔

کا ہیکو ڈنلہ ہے یا اُن پر آخرت میں عذاب دُگنا کرتا ہے۔ پس ہر ایک انعام کرامت نہیں اور نہ ہر ایک امتحان عقوبت ہے ۔[۱]

۵۸ ــ اولیاء متقین کیا بلکہ انبیاء مرسلین میں بھی ایسا کوئی نہیں جو کہ ہمیشہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو۔ بلکہ یہ بات اسی طرح کی بات ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ علیؓ بادل میں ہے۔ محمدؐ بن حنیفہ جبال رضوی میں ہے۔ محمدؐ بن حسن سرداب سامرہ میں ہے۔ حاکم جبل مصر میں ہے۔ اور کہ ابدال رجالِ غیب جبل لبنان میں ہیں۔ یہ بات اور اسی طرح کی اور باتیں جھوٹ اور بہتان ہیں۔ البتہ کسی شخص کو یہ خرقِ عادت حاصل ہوتی ہے کہ وہ کبھی لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ یا تو دفعِ دشمن کے لئے یا کسی اور غرض سے۔ لیکن یہ بات کہ وہ تمام عمر اس حالت میں رہتا ہے باطل ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے دل کا نُور اس کے دل کی ہدایت اُس کے اسرار اس کی امانت اُس کے انوار اور اس کی معرفت لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہیں۔ اور کہ اس کی صلاحیت اور ولایت اکثر لوگوں سے مستُور ہو۔ ایسا ضرور ہو سکتا ہے اور کہ اسرارِ حق اُس کے اور اس کے اولیاء کے درمیان ہو سکتے ہیں۔ درحالیکہ لوگ نہ جانتے ہوں ۔[۲]

۵۹۔ یہ قلندر لوگ جو ڈاڑھیاں مونڈتے ہیں یہ اہل ضلالت و جہالت سے ہیں۔ ان میں سے اکثر اللہ اور رسول کے منکر ہیں۔ وہ صوم و صلوٰۃ کی فرضیت کے قائل نہیں اور نہ اللہ و رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور نہ دینِ حق پر چلتے ہیں بلکہ اکثر ان میں سے یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ کفر میں مُبتلا ہیں۔ یہ نہ تو اہلِ ملّت سے ہیں اور نہ اہلِ سُنت سے۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مسلمان ہوتے ہیں لیکن وہ اہلِ بدعت و ضلالت یا اہلِ فسق و فجور ہیں۔ [۳]

۶۰ ــ نذر قبروں کے لئے یا قبر والوں کے لئے یا اُن لوگوں کے لئے جو قبروں پر معتکف

[۱] مجموعۃ الرسائل والمسائل ابن تیمیہ جلد اول ص ۵۰-۵۱ [۲] مجموعۃ الرسائل والمسائل ابن تیمیہ اول ص ۵۱
[۳] مجموعۃ الرسائل والمسائل حصاول ص ۵۳ ۵۴

ہوں۔ خواہ وہ قبریں نبیوں کی ہوں یا صالح مومنوں کی۔ حرام مطلق ہے۔ اور وہ اس نذر
کے مشابہ ہے جو بتوں کے لئے رکھی جاتی ہے۔ خواہ وہ تیل کی یا شمع کی یا اور طرح کی نذر ہو۔
کیونکہ نبی صلعم نے فرمایا ہے۔ لعن اللّٰہ زوارات القبور و المتخذین علیہا المساجد
والسرج۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے لعنت کی ہے اُن پر جو قبروں کی زیارت کریں اور اُن کو
مسجدیں بنائیں اور چراغ جلائیں[1]

۶۱۔ جس نے یہ خیال کیا کہ ملائکہ اور انبیا رگانے پر حاضر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کو
اس سے محبت و رغبت ہوتی ہے وہ مفتری کاذب ہے۔ بلکہ ایسے موقع پر شیاطین
حاضر ہوتے ہیں۔ شیطان کے آثار اہلِ سماع جہلی پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے جھاگ کا
منہ سے نکلنا۔ بدن کا پھڑپھڑانا اور مکروہ آوازیں نکالنا۔[2]

۶۲۔ ایک حدیث جسے بعض غزوۂ تبوک کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔
یہ ہے۔ رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔
اور نہ اس کی کسی ایسے شخص نے روایت کی ہے جو اقوال و افعالِ نبی سے معرفت رکھتا
ہو۔ جہاد کرنا تمام اعمال سے اعظم ہے بلکہ وہ تو انسان کی عبادات سے بھی افضل ہے
کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر
والمجاہدون فی سبیل اللّٰہ باموالہم و انفسہم فضّل اللّٰہ المجاہدین باموالہم
وانفسہم علی القاعدین الخ۔

ہم اب ان اعتقادات کو ترتیب وار لیتے ہیں۔

۱۔ درست ہے۔

۲۔ صحابہ۔ تابعین اور آئمہ اسلام کا اجماع کہاں ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کی وفات
کے بعد آپ سے دعائے مغفرت چاہنا ممنوع ہے پس کہتا ہوں کہ جناب رسول اللہ

[1] مجموعۃ الرسائل والمسائل ابن تیمیہ حصہ اول ص ۳۰ و ۳۵ [2] مجموعۃ الرسائل والمسائل ابن تیمیہ حصہ اول ص ۵۶

فرائض نبوت ادا کرنے سے قاصر رہیں گے۔ اگر آپ اپنی اُمت کے افراد کے لئے بعد وفات خود دُعا نہ کر سکیں گے۔ تزکیہ کا اہم منصب رسول کا ہے۔ اور اس کی نسبت ابواب اوّل اور دوئم میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ فرض آپ ہرگز ادا نہیں کر سکتے جب تک کہ آپ اپنے اُمت کے قابل افراد کے پاک کرنے کی دُعا نہ کریں۔ استمداد بعدِ وفات کے متعلق بھی اوپر بحث ہو چکی ہے۔ گذشتہ ابواب کتاب ہذا دیکھیں اور وہاں اس کا حل پڑھیں [۱] اگر جناب رسول اللہ صلعم سے دُعا کی کیفیت وفات کے بعد مسلوب ہو چکی ہے تو پھر آپ معاذ اللہ منصب نبوت سے معطل ہیں جو محال مطلق ہے۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں اور اس حیثیت سے آپ اپنے فرائض قیامت تک ادا کرتے رہیں گے۔ ہاں ایک بات ہے اور وہ یہ کہ قبرِ نبوی پر دُعا کرنے کے متعلق صحابہ اور تابعین کے اقوال و افعال بہ تفصیل ہم تک نہیں پہنچے۔ دعا ایک فعلِ قلبی و نفسی ہے۔ لوگ مختلف موقعوں پر اپنے لئے اور اپنے دینی بھائیوں کے لئے دعائیں مانگا کرتے ہیں۔ مگر دل ہی دل میں۔ اُس کا اعلان نہیں کرتے۔ البتہ جو دعائیں مومن نماز جماعت کے بعد اکٹھے مل کر کرتے ہیں اُن کا کبھی اعلان بھی ہو جاتا ہے۔ مگر جو دُعائیں فرداً فرداً مومن مانگتے ہیں۔ اور انہوں نے فرداً فرداً مانگی ہیں اُن کا ریکارڈ کہیں موجود نہیں بس یہی وجہ ہے کہ صحابہ اور تابعین سے ایسی تفصیلی دعاؤں کے متعلق بہت کم ہم تک پہنچا ہے یہی حالت بعض دیگر اعمال صالحہ کی ہے۔ صحابہ اور تابعین کے متعلق ایسے تفصیلی حالات ہم تک بہت کم پہنچے ہیں۔ کہ کس کس نے کس کس وقت پر کیا کیا دُعا کی اور ہر ایک نے قبروں پر جا کر اہل مقابر کے لئے کیا کیا دعائیں کیں۔ یہ تفصیلی باتیں ہم تک پہنچنی مشکل تھیں اور اسی لئے ہم تک نہیں پہنچیں۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کسی نے بھی اپنے اور اپنے بھائی کے لئے دُعا نہ کی بالکل غلط ہے۔ اس طرح ہمیں چند اور باتیں ملتی ہیں جن کے

[۱] ابواب اول و دوم

متعلق صحابہ اور تابعین سے کچھ بھی ہم تک نہیں پہنچا۔ کیا اب ہم ان سب باتوں سے انکار
کر دیں۔ مثال کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے کذالک نری ابراھیم ملکوت
السمٰوات والارض۔ الآیہ۔ قرآن کے رُو سے ملکوت کے رموز و اسرار کا دکھانا صرف
حضرت ابراہیم اور خاتم النبیین کے لئے پایا گیا ہے۔ لیکن ہم تک کوئی بات نہیں پہنچی۔ نہ
قرآن کے رُو سے نہ کسی اور طرح کہ کسی اور نبی کو بھی ان رموز و اسرار کے وقوف سے
سرفراز کیا گیا۔ خاتم النبیین کے متعلق سورہ اسراء میں نریہ من آیاتنا آیا ہے۔ اور ملکوت
آیات میں شامل ہے۔ اسی طرح صدیقوں کامل مومنوں اور دیگر نبیوں کی نسبت
اس بارہ میں صحابہ اور تابعین وغیرہ سے کچھ بھی ہم تک نہیں پہنچا ہے۔ کیا اب ہم
یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ سوائے خاتم النبیین اور حضرت ابراہیم کے اور کسی کو جنوا بھی
ملکوت کے رموز و اسرار نہیں بتائے گئے۔ حالانکہ اصولاً ایسے رموز و اسرار تمام انبیاء
اور تمام صدیقوں کو کم و بیش دکھائے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان
کی باطنی آنکھ اور باطنی کان کھلتے ہیں۔ تو وہ خود ان رموز و اسرار کا معائنہ کر سکتا ہے۔
اور باطنی آنکھ اور کان اس وقت کھلتے ہیں جب کہ خدا اُس کا ہاتھ پاؤں۔ کان آنکھ
دل اور زبان ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بخاری اور مسند احمد کی روایت میں ہے۔[1] اسی طرح بحیثیت
خاتم النبیین کے رسول کا منصب ہے کہ وہ قابل افراد کو اپنی دُعا و استغفار سے پاک کریں
اور اپنی دُعا کے ذریعہ دین اسلام کو باقی ادیان پر غالب کریں۔ جو غلبہ ابھی تک اسلام کو
حاصل نہیں ہوا۔ جیسا کہ پہلے باب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ صحابہ و تابعین سے ہم تک کچھ بھی
نہیں پہنچا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم اپنی وفات کے بعد کس طرح تزکیہ اور غلبہ دین کی دعا کرتے
ہیں۔ تو کیا اب ہم اس اصولی بات سے انکار ہی کر دیں۔ کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح
جناب رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں۔ کہ میری آنکھ تو سوتی ہے مگر میرا دل نہیں سوتا۔ جیسا کہ

---

[1] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ منتخب جلد اول ص ۱۱۲-۱۱۳

بخاری کی روایت میں ہے ۵۱ اصول یہ ہے کہ جس مومن کی آنکھ کان دل زبان وغیرہ خدا بن جاتا ہے اس کو قلب کی یہ بیداری حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس کا دل نیند میں بھی بیدار رہتا ہے۔ یہ بیداری خصوصیاتِ انبیاء سے نہیں ۵۲ چونکہ اس کے متعلق صحابہ و تابعین سے ہم کو کچھ نہیں پہنچا۔ اس لئے ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ کیفیت سوائے رسول اللہ صلعم کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ اور کہ یہ خصوصیاتِ انبیاء سے ہے۔ جیساکہ بعض کو مغالطہ لگا ہے۔ ایسی اُونچی اُونچی باتوں کی نسبت تفصیلی حالات صحابہ اور تابعین کے ہم تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ اور نہ پہنچے۔ مگر اس سے نتیجہ تخصیص کا نکالنا کمال عرفان کے اصول کو مٹا دینا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ذکر ذکرِ خفی ہے جیساکہ مسند احمد اور شعب الایمان بیہقی کی روایت میں ہے۔ ۵۳ اس بارہ میں کچھ بھی ہم تک صحابہ اور تابعین سے نہیں پہنچا۔ کیا اب ہم یہ سمجھ لیں کہ یہ ذکرِ خفی رسول اللہ صلعم کا ذاتی عمل ہوگا اور کہ ان کے بعد یہ ذکر کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ حاشا و کلا۔ اس ذکر کا سکھانا اور اس کے ذریعے پاک کرنا رسول ؐ کا ذاتی منصب ہے۔ ایسا ذکر کامل مومنوں کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ جیساکہ باب اول میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۵۴ اگر اب بھی کوئی امام ہم کو یہ کہ دیں کہ ہم تک صحابہ اور تابعین کا عمل اس کے متعلق نہیں پہنچا۔ اس لئے یہ ذکر کسی صحابی اور تابعی نے اختیار نہیں کیا۔ تو کیا یہ درست ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ کی قبر پر جا کر لوگ درود و سلام پڑھتے ہیں۔ مگر ہم تک صحابہ اور تابعین کے بارے میں یہ فرداً فرداً تفصیلی ذکر نہیں پہنچا ہے۔ کہ کس کس صحابی اور کس کس تابعی نے وہاں کیا کیا الفاظ درود و سلام کے اختیار کئے یہ حالات ہم تک پہنچیں یا نہ پہنچیں اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ اصول موجود ہے۔ وہ یہ کہ درود و سلام آپ پر بھیجی جاتی ہے۔ اور کہ اس کا طریقِ مسنون بھی حدیثوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح تزکیہ کا اصول موجود ہے اور آپ اپنی اُمت کے قابل افراد کو پاک کرتے

۵۱ بخاری حصہ اول ص ۵۰۰۶۔ ۵۲ اس کے متعلق بحث باب اول میں ہو چکی ہے دیکھو نقرہ ۲۶۔ ۵۳ منتخب جلد اول باب فی الذکر ص ۳۴۹۔ ۵۴ دیکھو فقرات ۱۸ تا ۲۶۔

ہیں۔ خواہ وہ پاک کرنا دعا کے ذریعے سے ہو۔ خواہ استغفا کے ذریعے سے۔ خواہ کسی اور طرح [1]۔ کیونکہ قرآن کھلے بندوں اس کا اعلان کرتا ہے۔ اور ایسے اعلان کی صداقت سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلعم ہم کو بتا رہے ہیں کہ افرادِ مومنین کا پاک کرنا اُن کا کام ہے اور ہم اس بات کو بھی جانتے ہیں کہ یہ تزکیہ افراد کی صورت میں آپ کی دعا کے بغیر نہیں بن پڑتا۔ اس پر ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولف حصن حصین امام محمد جزری نے حضور کی وفات کے بعد آپ سے دعا کی استدعا پیش کی۔ اور کہ حضور علیہ الصلوٰۃ نے ان کے لئے دُعا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اور ان کے ساتھی دشمن سے بچ گئے۔ اسی طرح امام قسطلانی اور مصنف قصیدہ بردہ کی استدعا دعا کا حال ہم تک پہنچا ہے۔ امام حسن بصری ہم کو بتلاتے ہیں کہ جو دعا قبرِ نبوی پر کی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے [2] اب ان باتوں کی موجودگی میں لو اکیا۔ حالات آپ کو چاہیئں جن سے آپ کو معلوم ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ بعد وفات اپنی اُمت کے افراد کے لئے دعا کیا کرتے ہیں۔ عالمِ برزخ کے تمام حالات ہم پر ظاہر نہیں ہو سکتے۔ یہ حُسن اتفاق کی بات ہے کہ کوئی چیز وہاں کی ہم تک پہنچ جائے۔ کسی کو معلوم نہ تھا۔ کہ قبر کے اندر بھی قرآن پڑھا جاتا ہے۔ ایک صحابی نے قبر پر خیمہ لگایا تو دیکھا کہ ایک شخص سورۂ ملک پڑھ رہا ہے یہ ماجرا رسول اللہ صلعم سے عرض کیا گیا۔ آپ نے اس کی تصدیق کی۔ اگر یہ واقعہ ہم کو معلوم نہ ہوتا تو کوئی اس بات کو باور نہ کر سکتا تھا کہ قبر میں بھی قرآن پڑھا جاتا ہے۔ یہی حال حضور علیہ الصّلوٰۃ کی اُن دُعاؤں کا ہے۔ جو آپ سے اپنی اُمت کے لئے بعدِ وفات صادر ہوتی ہیں شیخ ابنِ تیمیہ کہتے ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ صلعم سے وفات کے بعد دُعائے مغفرت چاہنا تمام صحابہ تابعین اور آئمہ اسلام کے اجماع کے خلاف ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ جیسا عالم اس قسم

[1] دیکھو باب اول فقرات ۸ تا ۲ [2] حصن حصین اماکن اجابۃ ص ۳۲-۳۳

کا خیال ظاہر کرے۔ اجماع چار قسم کا ہوتا ہے۔

اوّل :۔ اجماع صحابہ کرام کا کسی حادثہ اور مسئلہ میں زبان سے کچھ کہہ کر۔

دوئم :۔ اجماع صحابہ کا اس طرح پر کہ بعض زبان سے کہیں یا عمل کریں۔ اور دوسرے اس قول یا عمل کو ردّ نہ کریں۔ بلکہ خاموش رہیں۔

سوئم :۔ اجماع تابعین یا تبع تابعین کا ایسے مسئلہ میں جس میں سلف نے کچھ نہیں کہا۔

چہارم :۔ اجماعِ متاخرین کا سلف کے اقوال میں سے کسی قول پر[1]

رسول اللہ سے آپ کی وفات کے بعد دعائے مغفرت کی استدعا کے متعلق اوّل اور دوئم قسم کا اجماع تحریمی نہیں پایا گیا۔ کیونکہ کسی صحابہ نے اس کے متعلق زبان سے کچھ نہیں فرمایا۔ اور نہ کوئی ایسا عمل کیا جسے دوسروں نے ردّ نہیں کیا۔ اس میں چہارم قسم کا اجماع بھی نہیں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ سلف کا کوئی قول اس کے متعلق موجود نہیں جس پر متاخرین نے اجماع کیا ہو۔ اب رہا تابعین یا تبع تابعین کا اجماع ایسے امر کے متعلق جس میں سلف نے کچھ نہیں کہا۔ ایسا اجماع بھی ثابت نہیں۔ کیونکہ اس مسئلہ کے متعلق نصوص و آثار موجود ہیں۔ جن سے ایسی استدعا جائز قرار پاتی ہے۔ اوّل تو تزکیہ کا مسئلہ۔ اس کے متعلق پہلا باب ملاحظہ فرمائیں۔ ہر ایک مومن کی یہ کوشش ہے کہ وہ کسی طرح پاک ہو جائے وہ زہد بھی اختیار کرتا ہے۔ اور کسی کامل اُستاد کے ہاتھ میں ہاتھ بھی دیتا ہے۔ ذکر نفسی و قلبی بھی اختیار کرتا ہے۔ ذکر دائمی بھی اپنا شیوہ بناتا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اسے رسول اللہ صلعم کی قوتِ تزکیہ سے مدد لینا پڑتی اور آپ سے تزکیہ کی استدعا کرنا پڑتی ہے۔ اور ایسی استدعا آپ کی رُوحِ عظمیٰ سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ نابینا دالی حدیث موجود ہے جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ آپ سے توسّل و تشفع آپ کی حینِ حیات

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو توضیح تلویح حسامی۔ نور الانوار۔ شرح اصول شاشی۔ فصل اجماع۔

ہیں اور آپ کی وفات کے بعد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ دُعا اب تک مشروع ہے۔[1]
اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ حوائج دینی و دنیوی کے انجاح کے لئے رسُول اللہ صلعم
کے حضور میں خشوع و خضوع سے رجوع کیا جائے۔ اور آپ سے استشفاع و توسّل کیا جائے
کیونکہ سلوک کی کٹھن منزلیں آپ کی توجّہ اور مدد کے بغیر نہیں کٹتی۔ اور نہ آپ کے توسّل
کے بغیر کسی سالک کا دامن مراد گوہر مقصود سے بھرپور ہوتا ہے۔ اور اسی میں ضرورتِ
نبوت کا راز مرکوز ہے۔ استسقاو الی حدیث مشہور ہے۔ اسی حدیث کی بنا پر امام
جزری کی رائے ہے کہ ہر حالت میں اور ہر وقت نبیوں اور صدیقوں کا وسیلہ لیا جا سکتا
ہے۔ خواہ وہ دنیا میں موجود ہوں۔ خواہ زیرِ زمین چھپ گئے ہوں۔ یہ کامل لوگ تلوار برہنہ
ہوتے ہیں۔ جب تک یہ بقیدِ حیات ہوتے ہیں۔ یہ تلوار میان میں رہتی ہے۔ جب
آگے کو سدھارتے ہیں تو پھر یہ تلوار برہنہ ہو جاتی ہے۔ اس وقت ان کی روحانی طاقت
متوسلوں کے بڑے بڑے کام نکالتی ہے۔ اسی نے امام جزری امام قسطلانی اور
بہت سے کامل مومنوں اور ولیوں نے آپ کے وصال کے بعد آپ کی رُوح اقدس
سے تکالیف کے وقت توسل کیا ہے۔ جیسا کہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اب شیخ
ابن تیمیہ اور ان کے چند ہوا خواہوں کے اس قول کی بنا پر کہ آپ سے بعدِ وفات دعا کی
استدعا نہیں ہو سکتی۔ اسی استدعا کی تحریم پر اجماع منعقد نہیں ہو سکتا۔ صحابہ قبرِ نبوی
پر جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عمر ابن الخطاب حضرات حسنینؓ۔ حضرت بلالؓ۔ حضرت
معاذ بن جبلؓ۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت علیؓ
حضرت عثمانؓ۔ وغیرہ کے سوانح سے پتہ چلتا ہے۔ ان حضرات کو باطنی مشکلات بھی پیش آتی
ہوں گی۔ جیسے کہ خود رسول اللہ صلعم کو پیش آتی تھیں۔ ان مشکلات کے حل کے لئے آپ
رسول اللہ صلعم سے توسّل کرتے ہوں گے۔ لیکن اس توسل کا اعلان نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ

---

[1] دیکھو باب سوم فقرہ ۱۴۷۔

ایسا توسل باطنی کیفیت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس پر ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ صحابہ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فرمانے کے مطابق استسقاء میں آپ کی قبر مبارک سے توسل کیا۔ جیسا کہ دارمی کی روایت میں ہے۔[1] ان آثار۔ ان شواہد ان قرائن کی موجودگی میں کوئی کس طرح کہ سکتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ سے دعائے استغفار چاہنا تمام صحابہ۔ تابعین اور تمام آئمہ اسلام کے اجماع کے قطعی خلاف ہے[2] اس مسئلہ کی نسبت مفصل بحث ابواب گزشتہ میں بھی کی گئی ہے۔ یہاں اختصار کے طور پر دو چار باتیں بیان کئے دیتا ہوں۔

اوّل۔ کیا رسول اللہ صلعم کی قبر پر جانا جائز ہے۔

دوئم۔ کیا قبر نبوی پر جاکر درود پڑھنا جائز ہے۔

سوئم۔ کیا درود دعا کی ایک قسم ہے۔

چہارم۔ کیا درود کا جواب رسول اللہ صلعم دیتے ہیں۔

پنجم۔ کیا رسول اللہ صلعم میں وفات کے بعد سے وہ تمام روحانی قوتیں موجود ہیں۔ جو ان میں زندگی کے وقت میں موجود تھیں۔

ششم۔ کیا جو نماز انبیا برزخ میں پڑھتے ہیں اور ان میں اوروں کے لئے دعائیں کرتے ہیں کیا وہ دعائیں اُن کی بے اثر و عبث ہوتی ہیں۔

ہفتم۔ کیا مُردے زندوں کے لئے دعائیں کر سکتے ہیں۔

ہشتم۔ کیا دعا کی استدعا رسول اللہ صلعم سے آپ کی وفات کے بعد ہو سکتی ہے۔

نہم۔ آپ سے دُعا کی استدعا کس اصول پر مبنی ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ: باب الکرامات [2] اس اعتقاد کے متعلق دیکھو جوابات ۳۴ ۳۵ ۔ ابواب اول۔ دوم و سوم میں مفصل بحث ان تمام امور پر ہو چکی ہے۔ ان تقریرات کو یہاں دہرایا نہیں گیا ہے۔ اشارات کو بھی ملاحظہ فرمادیں۔

دہم - کیا کسی امام نے رسول اللہ صلعم سے بعد وفات دعا چاہنے کو ممنوع قرار دیا ہے ؟

اب ہر ایک امر کے متعلق خلاصہ تقریر سن لیجیے۔

اول :- جائز ہے - دیکھو باب دوئم بالخصوص فقرات ۳ تا ۶

دوئم : جائز ہے - جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے - دیکھو ابواب دوئم و سوئم و کتب احادیث

باب الصلاۃ علی النبی صلعم -

سوم :- درود واقعی دعا کی ایک قسم ہے جیسا کہ ظاہر ہے - دیکھو مجمع البحار لفظ صلاۃ

چہارم :- درود کا جواب رسول اللہ صلعم سے دیا جاتا ہے - دیکھو کتب احادیث علی النبی صلعم

پنجم :- یقیناً موجود ہیں - دیکھو ابواب گزشتہ بالخصوص باب اول فقرات ۳۴ تا ۳۹ - و

باب دوم فقرات ۸ تا ۱۸

ششم - ایسی دعائیں بے اثر نہیں ہوتیں کیونکہ نبی اور ولی کوئی فعلِ عبث نہیں کرتے

خواہ وہ اس دنیا میں ہوں اور خواہ اُس دنیا میں اگر ان کی دعائیں عبث اور بے اثر ہوں

تو پھر ان کا نماز میں اور رسول کے لئے دعا کرنا ایک فعلِ لغو ہے جو محال مطلق ہے۔ دیکھو

ابواب گذشتہ بالخصوص باب اول فقرات ۸ ۳۸ و ۳۹ - و باب دوم فقرات ۱۶ و ۱۷ -

ہفتم : اموات دعائیں مانگ سکتے ہیں - جب زندے مُردوں کی قبروں پر جا کر ان کے

لئے دعائیں مانگتے ہیں - اور سلام کرتے ہیں تو مُردے بھی ان کی رشد و ہدایت کی دعا جوابی

کرتے ہیں - دیکھو ابواب گذشتہ بالخصوص باب سوم - فقرات ۱ و ۲ و جواب ۸ -

ہشتم :- استدعا ہو سکتی ہے - دیکھو ابواب گزشتہ بالخصوص باب اول - فقرات -

۳۷ تا ۳۹ باب دوئم - فقرات ۶ تا ۲۲ باب سوم - فقرات ۷-۱۲-۱۳-۱۵-

نہم :- ہر ایک سالک کو کمال ولایت حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ صلعم کی قوتِ

تزکیہ کا مرہون منت ہونا پڑتا ہے - کیونکہ کوئی مومن آپ کی دعائے تزکیہ کے بغیر پاک نہیں

ہو سکتا - پس اصول تقاضا اس بات کا کرتا ہے کہ آپ سے تزکیہ - کمالِ معرفت اور فلاحِ تام

کی دعا کی استدعا کی جائے۔ دیکھو بابِ اول فقرات ۸ تا ۲۲۔ ۳۰ و ۲۹۔

دہم: ۔نہیں ۔صرف شیخ ابن تیمیہ اور ان کے بعض ہوادار اس سے منع کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ سے اب بعد وفات دعا چاہنا ممنوع نہیں ۔ اور جو ایسا خیال کرے وہ غلطی پر ہے ۔اس اعتقاد کے متعلق دیکھو جوابات ۳ تا ۶۔ فوت شدہ نبی یا ولی کی قبر پر جا کر اس سے دعا کا سوال ایک روحانی اصول پر مبنی ہے ۔اس اصول کی تحقیق بجائے خود چند اہم امور پر انحصار رکھتی ہے ۔ اور وہ امور یہ ہیں۔

۱۔کیا فوت شدہ نبی اور ولی کی روح زندہ ہوتی ہے ؟

۲۔کیا زندہ یا فوت شدہ کامل مومن کی رُوح کسی دوسری رُوح کو دیکھ سکتی ہے۔ اور اُس سے مکالمہ میں مشغول ہو سکتی ہے ۔

۳۔کیا فوت شدہ کامل مومن کی رُوح دیکھتی سنتی اور ادراک کرتی ہے ۔ اور اس کے دیکھنے سننے اور ادراک کرنے سے زندوں کا دیکھنا سننا اور ادراک کرنا مشابہت رکھتا ہے

۴۔فوت شدہ نبی یا ولی کی رُوح کا اس قبر سے کیا تعلق ہوتا ہے۔جس میں اس کا جسم مدفون ہوتا ہے۔

۵۔ برزخ میں اور اس دنیا میں روح کی طاقتوں اور قوتوں میں کیا فرق ہے ؟

۶۔ فوت شدہ نبی اور ولی کی رُوح سے دعا کی استدعا کس طرح کی جا سکتی ہے اور کیا روح اس کا ادراک کرتی ہے ۔

۷۔کیا فوت شدہ ولی کی روح میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ زندہ مومن کی استدعا سُن کر اس کے انجاح حوائج میں سعی کرے۔ اس بارے میں خاتم النبیین اور دیگر انبیاء اور اولیاء کی روحانی طاقت میں کیا فرق ہے۔

اب ہر ایک امر کو لیتا ہوں۔

۱۔ ہاں زندہ ہوتی ہے۔ نبی اور ولی کی روح تو درکنار برزخ میں تو سب کا فرد

کی روحیں بھی زندہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ عذاب قبر سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جیساکہ حدیثوں
میں ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب عذاب قبر۔ اور باب دوم فقرات ۸ تا ۱۱ و ۱۶ تا ۲۱۔ و
باب سوم فقرہ ۱۲۔

۲۔ دیکھ سکتی اور مکالمہ میں مشغول ہو سکتی ہے۔ جیساکہ معراج کی حدیث اور دیگر احادیث
سے ثابت ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے جو معراج کیا وہ جسم کے ساتھ کیا اور رُوح
کی غیر معمولی قوت سے کیا۔ آپ نے اپنی حینِ حیات میں ہی نبیوں کی روحوں اور
فرشتوں سے ملاقاتیں کیں۔ صدیقوں کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ وہ بھی زندگی میں
ہی فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔ جیساکہ حضرت مریم کے متعلق قرآن میں مذکور ہے۔ اسی کو
کشفِ ملکوت کہتے ہیں۔ دیکھو باب پنجم ضمن ششم فرشتہ رُوحِ مجرّد ہے۔ اگر کوئی
فرشتے کو دیکھ سکے تو وہ انسان کی روح کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ انسان کی رُوح
اور فرشتے میں بلحاظ بساطت کے کوئی فرق نہیں۔ فرق اگر ہے تو فضیلت متقابلہ میں۔
اگر زندہ نبی فرشتے یا روحِ مجرّد سے ملاقات کر سکتا ہے۔ تو زندہ ولی بھی کر سکتا ہے۔
کیونکہ وحی اور الہام حقیقت میں ایک ہی شئے ہیں۔ ان میں جو فرق ہے وہ صرف اضافی
ہے۔ ایک شے جب نبی کی طرف منسوب ہو تو وحی کہلاتی ہے۔ اور وہی شے اگر ولی
کی طرف منسوب ہو تو الہام کہلاتی ہے۔ نبی مامور من اللہ ہوتا ہے۔ اور تبلیغ کے مقام
عالی میں ہوتا ہے۔ ہر ایک ولی کے لئے یہ صورت لازمی نہیں۔ وحی میں فرشتہ نبی سے
اور الہام میں ولی سے ہمکلام ہوتا ہے۔ دیکھو باب پنجم ضمنِ الہام۔ فرشتے اور روح میں
دیدار و مکالمہ باہمی قبر کے اندر ہوتا ہے۔ بلکہ اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب
کہ روح تن سے جدا ہوتی ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ و دیگر کتب احادیث باب عذابِ قبر۔ نبی
یا ولی کا کسی روح کو دیکھنا باطنی آنکھ کان وغیرہ کے وا ہونے پر منحصر ہے۔ ہر کامل مومن
کی باطنی آنکھ کان اور دیگر جوارح اپنی پوری قوت کے ساتھ کارفرما ہوتے ہیں۔ جیساکہ اس

کی نسبت مفصل بحث باب اول میں کی گئی ہے۔ دیکھو فقرات ۱۱ تا ۱۵ و ۱۹ تا ۲۴ و ۳۰ و ۳۴ و ۳۷ تا ۴۰۔ جب مومن کی باطنی آنکھ اور کان کھل جائیں تو وہ فرشتوں اور ارواح انسانی کو دیکھ سکتا اور اُن سے مکالمہ کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ تو خدا کا جلوہ بھی تجلی ذاتی کی صورت میں دیکھ پاتا ہے۔ انسان کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں تجلی ذاتی سے سرفراز ہو۔ دیکھو باب پنجم ضمن سوم۔ تجلیٔ ذاتی میں انسان حق تعالیٰ کا جلوہ دیکھتا ہے۔ جیساکہ حدیثوں میں ہے۔ حق تعالےٰ کا جلوہ دیکھنا ملکوت السمٰوٰت والارض میں داخل ہے۔ اور ان رموز و اسرار کا کم و بیش دیکھنا نبیوں اور کامل ولیوں کے لئے ممکن ہے۔ جیساکہ اسی جواب میں اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص حق تعالےٰ کا جلوہ اور زمین و آسمان کے انوار و اسرار باطنی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔ اس کے لئے روحوں اور فرشتوں کا دیکھنا معمولی بات ہے۔ کیونکہ زمین و آسمان کے اسرار میں فرشتوں اور روحوں کی حقیقت داخل ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں کشفِ قبور اور کشفِ ملکوت سے تعلق رکھتی ہیں۔

۳۔ روح کی طاقت جسم سے جدا ہو کر بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور جو طاقت اس میں زندگی کے وقت پیدا ہو جاتی ہیں۔ وفات کے بعد ان میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ دیکھو باب اوّل فقرات ۱۱۔ ۱۵۔ ۳۸۔ و باب دوم فقرات ۸ تا ۱۲۔ و ۱۶ تا ۲۱۔ ایک زندہ نبی اور ولی کی آنکھ دور دراز فاصلوں سے دیکھ اور سن سکتی ہے۔ اور وہ ان چیزوں کا ادراک کرتے ہیں۔ جن کا ادراک عامی مومنوں کی طاقت سے بالاتر ہوتا ہے۔ وفات کے بعد چونکہ روح کی طاقتوں سے تمام قیود اٹھ جاتی ہیں۔ اس لئے فوت شدہ مومن کی روح کی طاقت زندہ مومن کی روح کی طاقت سے زیادہ ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی طاقت کا صحیح صحیح اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ روحیں جسم سے جدا ہوتے ہی اعلےٰ علیین یا اسفل السافلین وغیرہ مقامات میں چلی جاتی ہیں۔ یہ روح کی طاقت طے مکان و زمان کی ہے۔ فوت شدہ مومن

مومن کی روح عالمِ برزخ اور جنت میں سیر کرتی پھرتی ہے۔ جو بات ایک زندہ مومن کی روح کو مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔

۴ - فوت شدہ مومن کی رُوح کا تعلق اس قبر سے ضرور ہوتا ہے۔ جہاں اس کا جسم مدفون ہوتا ہے۔ اُس قبر کے اندر بھی رُوح سے فرشتوں کا مکالمہ ہوتا ہے اور وہاں بھی عذاب و ثواب شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہاں بھی لوگ جا کر ان کے لئے دعائے مغفرت مانگتے ہیں۔ جسے اموات کی رُوحیں ادراک کرتی اور جوابی دُعا کرتی ہیں۔ جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔ دیکھو بابِ دوم، فقرات ۱۲ و ۷ ا تا ۲۱ و باب سوم فقرات ۱ و ۲ - قبر میں روحیں قرآن و نماز پڑھتی ہیں۔ جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔ رسول اللہ نے موسیٰ اور دیگر انبیا کو قبر میں نمازیں پڑھتے دیکھا۔ تفصیل کے لئے دیکھو بابِ اوّل فقرہ ۱۷ - و ۳۸ و ۳۹ و باب دوم فقرات ۱۶ و ۱۷ - اگر رُوح کی آمد و رفت قبر میں نہ ہو تو پھر اہلِ قبور کس طرح قبروں میں نماز اور قرآن پڑھ سکتے ہیں۔

۵ - اس کی نسبت بحث (۳) میں ہو چکی ہے۔

۶ - دعا کی استدعا زبان سے کہہ کر یا دل میں رکھ کر ہوتی ہے۔ زبان سے کہی ہوئی بات فوت شدہ نبی اور ولی سُن لیتا ہے۔ جیسا کہ بابِ اوّل فقرہ ۱۷ میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ دل میں کہی ہوئی بات کو بھی فوت شدہ نبی یا ولی کی رُوح معلوم کر لیتی ہے۔ کیونکہ رُوح اپنی فراست کی وجہ سے ایسے ادراک کی قوت رکھتی ہے۔ جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں ہے مومن اللہ تعالیٰ کے نُور سے دیکھتا ہے۔ اور رُوح فوت شدہ نبی اور ولی کی زندہ ہوتی ہے۔ یہ دیکھنا رُوح کی آنکھ سے ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو باب سوم فقرہ ۱۲ و امر (۵) بالا۔ حدیث میں ہے کہ جب قبر نبوی پر جا کر کوئی درود پڑھے تو نبی صلعم سُن لیتے ہیں۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبیؐ۔ درود دو طرح سے پڑھا جاتا ہے۔ زبان سے اُونچی کہہ کر یا دل میں

ہی کہہ کر۔ زبان سے کہی ہوئی بات کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ آواز سے ہوا میں تموّج
پیدا ہوتا ہے۔ اور آپ کی رُوح اقدس اُسے سُن پاتی ہے۔ گو کہ یہ سُننا بھی غیر معمولی
سُننا ہے۔ کیونکہ جسم پر منوں مٹی پڑی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس کی نسبت مفصل ذکر
بابِ اول کے فقرہ ۷ میں کیا گیا ہے۔ اگر درود قبر پر جا کر دل میں ہی پڑھا جائے
اور آواز باہر نہ نکلے تو ایسے درود کا ادراک بھی آپ کی روح کرتی ہے۔ جیسا کہ حدیث
کا منشا ہے۔ اور یہ ادراک رُوح کا باطنی قوت سے ہوتا ہے پس قبر پر جو درود پڑھا جائے
خواہ وہ درود دل میں ہی پڑھا جائے اس کا ادراک اس حدیث کے رُو سے رُوح
نبوی کرتی ہے۔ اور جس طرح آپ کی رُوح اس درود کا ادراک کر سکتی ہے اُسی طرح
دوسری دُعا کا بھی ادراک کر سکتی ہے --- خواہ وہ دُعا دل سے کہی جائے اور زبان
پر نہ آئے۔ کیونکہ اصول دونوں کے لئے ایک ہی ہے۔ صلوٰۃ کی تشریح مجمع البحار
اور دیگر کتبِ لغت میں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ صلوٰۃ بھی ایک طرح کی دُعا
ہے۔ جب ایک طرح کی دُعا کا ادراک آپ کی رُوح کرتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں
کہ آپ کی رُوح دوسری دعاؤں کا ادراک بھی نہ کرے۔ اسی طرح جب کوئی کسی عامی
مومن کی قبر پر جا کر اُس کے لئے دُعا مانگتا ہے تو میت اس دُعا کا ادراک کرتی
اور اس کا جواب دیتی ہے۔ یعنی دُعا کرنے والے کے لئے جوابی دُعا کرتی ہے۔
جیسا کہ حدیثوں میں ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ بابِ زیارتِ قبور و بابِ سوم کتاب ہذا فقرات
۱ و ۲۔ و جواب ۸ باب ہذا۔ پس ظاہر ہے کہ فوت شدہ نبی اور کامل ولی تو درکنار عامی
مومنوں کی روحیں بھی زندوں کی دعائیں اور استدعاؤں کا ادراک کر سکتی ہیں۔

۷۔ ہم نے اوپر تفصیل سے بیان کر دیا ہے کہ جو طاقتیں نبی اور ولی کی روح کو
زندگی میں حاصل ہوتی ہیں وہ وفات کے بعد بھی موجود رہتی ہیں۔ دیکھو امر (۳) بالا۔
پس جس طرح نبی کو زندگی میں انجاح حوائج کی طاقت ہوتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی

زیادہ وفات کے بعد ہوتی ہے۔ خاتم النبیین کی روح تمام نبیوں اور ولیوں کی روحوں سے قوی ہے۔ کیونکہ آپ علاوہ اور باتوں کے بروئے حدیث صحیحین اُس باب میں قاسم ہیں جس باب میں اللہ تعالےٰ المعطی ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب العلم۔ حق تعالیٰ عطا کرنیوالا ہے اور رسول ثقلین تقسیم کرنے والا ہے۔ جب تک حق تعالیٰ کی عطیات اس دنیا کے لئے جاری ہیں اس وقت تک آپ کی قوتِ تقسیم عطیات کی قائم ہے۔ کوئی عطیہ خیر و برکت۔ علم و عمل ضیاء باطنی و معرفت۔ مال و دولت فیض روحانی اور کمال وغیرہ کا کسی کو نہیں مل سکتا۔ جب تک رسول اللہ صلعم اسے بانٹ کر نہ دیں۔ اس لئے بھی ضروری ہے کہ آپ کی تمام قوتیں روحانی وفات کے بعد بھی بحال رہیں۔ اس لحاظ سے نبی صلعم کی قوت و طاقتِ روحانی سب نبیوں سے زیادہ ہے۔ دیکھو باب اوّل فقرہ ۳۹ و جواب ۵۵ باب ہذا۔

ان حالات کی موجودگی میں یہ بات صاف ہے کہ فوت شدہ نبی اور ولی سے دعا کی استدعا ہو سکتی ہے۔ اور کہ ان میں دُعا کی طاقت باحسن وجوہ موجود ہوتی ہے

۳۔ خاتم النبیین سے خطاب وفات کے بعد ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا۔ جیسا کہ نماز میں السلام علیک ایھا النبی ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہا جاتا ہے [۱]۔ یہ خطاب بامعنی ہے اور عبث نہیں۔ اور نہ یہ کفر ہے نہ شرک۔ اسے کفر و شرک سے نسبت دینے والا خود کافر ہے۔ اسی طرح کا خطاب دیگر انبیا و صالحین سے بھی جائز ہے [۲] جیسا کہ اہل مقابر کو سلام کے وقت کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اصول ایک ہی ہے۔ جب ایک بات ایک نبی اور ایک کامل مومن کے لئے جائز ٹھہرتی ہے تو پھر ہر دوسرے کامل مومن کے لئے بھی جائز ہے۔ یا دلیل تخصیص ہونا چاہیئے۔ چنانچہ طبرانی میں ہے کہ جب کوئی مدد چاہے تو کہے اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔

[۱] دعا تشہد حصن حصین ص ۱۱۱ و ۱۱۲ صحاح ستہ [۲] دیکھو باب سوم۔

اے خدا کے بندو میری مدد کرو[۱]۔ اور طبرانی کا قول ہے کہ یہ بات تحقیق آزمائی جاچکی ہے[۲] غیر اللہ سے استعانت کا مسئلہ جداگانہ ہے۔ اس پر مفصل بحث اعتقادات ۲ و ۱۴ میں ہوچکی ہے۔ یہاں صرف اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ فرشتوں سے استمداد غیر مشروع ہے۔ تصویروں اور بتوں کے سامنے استمداد شرک و کفر ہے۔ انبیاء سے ان کی وفات کے بعد دُعا و استغفار اور شفاعت کی استدعا ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ اس کی نسبت مفصل بحث گزشتہ ابواب اور جواب بالا میں کی جاچکی ہے۔ وہاں یہ بھی لکھا جاچکا ہے کہ خاتم النبینؐ کا کام قیامت تک جاری رہے گا۔ اور اس لئے تزکیہ کا فعل بھی آپ سے قیامت تک صادر ہوتا رہیگا۔ اور اس کے لئے آپ دعا بھی مانگتے رہیں گے۔ کیونکہ دعا کے بغیر تزکیہ ناممکن ہے۔ دعا ایک دلی کیفیت ہے۔ اس کی نسبت تفصیلی حالات صحابہ اور تابعین کے قلم بند ہوکر ہم تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ جیسا کہ اُوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ رسول اللہ صلعم سے وفات کے بعد شفاعت چاہنے کے متعلق بھی جوابات ۲ و ۳ ملاحظہ ہوں۔ اموات کی ثناء ہوسکتی ہے۔ جیسے کہ صحیحین میں ہے۔ انس بن مالک کہتے ہیں۔ کہ لوگ جنازہ سے گذرے اور اُنھوں نے میّت کی ثنا کی۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اس کے لئے جنّت واجب ہوئی۔ الخ[۳]۔ مسلم میں بھی یہی حدیث موجود ہے[۴]۔ اگر عام مردوں کی زبانی تعریف و ذم ہوسکتی ہے تو تحریری بھی ہوسکتی ہے۔ اور اُسی کا نام قصیدہ مدحیہ یا ہجو ہے۔ حدیث بالا میں ذکر بد کا بھی بیان ہے۔ اس لئے مدحت اور مذمت اموات کی ہوسکتی ہے۔ اگر شیخ ابنِ تیمیہ کو اس میں کچھ شک ہو تو ہم اس کے متعلق

---

[۱] حصن حصین ص ۱۶۳۔ [۲] حصن حصین ص ۱۶۳ [۳] صحیح بخاری باب ثناء الناس علی المیت کتاب الجنائز۔ جلد اول ص ۱۸۲ [۴] مسلم۔ کتاب الجنائز باب فیما یثنیٰ علیہ خیراً او شر من الموتیٰ جلد اوّل ص ۳۵۱

شواہد پیش کر سکتے ہیں۔ سنئے اسد الغابہ میں ہے کہ اسید بن سفیان کہتے تھے۔ کہ جب
حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوئی تو حضرت علیؓ بن ابی طالب تیز چلتے ہوئے اور
انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ آج خلافتِ نبوت ختم
ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ اس گھر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ جس میں ابوبکرؓ تھے
پھر انہوں نے کہا کہ اے ابوبکرؓ اللہ آپ پر رحم کرے۔ آپ سب لوگوں سے پہلے
اسلام لائے آپ کا ایمان سب سے زیادہ خالص تھا۔ آپ کا یقین سب سے
زیادہ تھا۔ آپ سب سے زیادہ بے پرواہ تھے۔ آپ سب سے زیادہ اسلام کے
پشت و پناہ تھے اور سب سے زیادہ رسول اللہ صلعم کے حق میں محتاط تھے۔ اور سب
سے زیادہ ان کے اصحاب کو امن دینے والے تھے۔ اور سب سے زیادہ آپ نے
رسول اللہ صلعم کا حقِ صحبت ادا کیا۔ آپ کے مناقب سب سے بڑھ کر تھے اسلامی
خدمتوں میں آپ سب سے آگے اور مرتبہ میں سب سے بڑھ کر تھے۔ سب سے
زیادہ رسول اللہ صلعم کے قریب بیٹھا کرتے تھے۔ اور عادت میں روش میں طریقہ میں
اخلاق میں سب سے زیادہ آں حضور کے مشابہ تھے۔ آپ کی منزلت سب سے
زیادہ تھی۔ رسول اللہ صلعم کے نزدیک آپ سب سے زیادہ بزرگ اور معتبر تھے۔
خدا آپ کو اسلام کی طرف سے اور رسول اللہ کی طرف سے جزائے خیر دے آپ
نے رسول اللہ صلعم کی ایسے وقت میں تصدیق کی جب کہ لوگ ان کی تکذیب کر رہے
تھے۔ اسی وجہ سے اللہ نے آپ کا نام اپنی کتاب میں صدیق رکھا[۱۵]۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت حمزہ شہید ہوئے تو رسول اللہ
صلعم ان کی نعش کے پاس جا کر کھڑے ہوئے۔ حضرت حمزہ کے ناک کان وغیرہ کاٹے
گئے تھے۔ حضرت نے کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا جس سے آپ کے دل کو زیادہ

---

۱۵ تذکرہ سعید بن ابو اناس۔ اسد الغابہ

صدمہ پہنچا ہو۔ آپ نے فرمایا۔ اے چچا اللہ آپ پر رحم کرے بے شک آپ بڑے صلہ رحم کرنے والے اور بہت نیکی کرنے والے تھے[1] حضرت عمرؓ بن الخطاب کے ایک بھائی زید تھے۔ وہ اُحد کے دن شہید ہوئے۔ حضرت عمر نے کہا خدا زید پر رحم کرے۔ وہ دو نیکیوں میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ اسلام بھی مجھ سے پیشتر لائے اور شہید بھی مجھ سے پہلے ہوئے۔ مُتمم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کی وفات پر مرثیہ کہا تھا۔ وہ اس نے حضرت عمر کو سنایا۔ حضرت عمرؓ بولے کہ اگر میں بھی شاعری کرتا ہوتا تو میں بھی اپنے بھائی کے بارے میں ویسا ہی مرثیہ کہتا جیسا کہ تم نے کہا ہے۔ متمم نے کہا اگر میرا بھائی بھی آپ کے بھائی کی طرح اللہ کی راہ میں مارا جاتا تو میں ہرگز غمگین نہ ہوتا۔ حضرت عمر نے کہا کہ اس سے بہتر میری کسی نے ماتم پُرسی نہیں کی[2] حضرت عاصم بن عمرؓ بن الخطاب نے سنہ ۷۰ ہجری میں اپنے بھائی عبد اللہ کی وفات کے پہلے انتقال کیا۔ بہت نیک اور بڑی فضیلت کے مالک تھے۔ حضرت عبد اللہ نے آپ کے مرثیہ میں یہ شعر کہا ؎

ولیت المنایا کن خلفن عاصماً فعشنا جمیعاً او ذھبن بنا معاً[3]

ترجمہ:- کاش کہ موتیں عاصم کو چھوڑ جاتیں پس ہم سب اکٹھے رہتے۔ یا ہم سب کو اکٹھا لیجاتیں

یہ عاصم عمر بن عبد العزیز کے نانا تھے۔ بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ شعر میں فضول گوئی نہ کرتے تھے۔ عبد الرحمٰن ابن خالد صحابی تھے۔ ان کی وفات زہر خورانی سے واقع ہوئی تھی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو کعب بن جعیل نے یہ مرثیہ کہا :- ؎

الا تبکی وظلت قریش ھاعوال البکاء علی فتاھا

ولو سُئلت دمشق لاجر ھلکم وبصری من اباح لکم حماھا

---

[1] تذکرہ سیدنا حمزہ۔ اسد الغابہ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ زید بن الخطاب۔ [3] اسد الغابہ۔ عاصم بن عمر بن الخطاب۔

وسیف اللہ اوردھا المنایا ۔۔۔ وہدم حصنھا وحمی حمہا

ترجمہ :- تو نہیں روتا۔ قریش تو اپنے نوجوان کی موت پہ بلند آواز سے رونے میں کوتاہی نہیں کرتے اور اگر دمشق سے پوچھا جائے تو تم کو خبر دے گا اور بصریٰ کا شہر بھی کہ کس نے وہاں کی چراگاہ تمہارے واسطے مباح کردی۔ اورکس نے سیف اللہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اورکس نے دمشق اور بصریٰ کے قلعے منہدم کئے۔ اور وہاں کی چراگاہیں محفوظ رکھیں لہ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر مکہ گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے دس میل کے فاصلہ پہ دفعتہً فوت ہوئے۔ اور مکہ لائے گئے۔ اور وہاں دفن کئے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے بھائی تھے۔ جب ان کو ان کی وفات کی خبر پہنچی تو بارادہ حج مکہ گئیں۔ اور ان کی قبر پر کھڑے ہوکر روئیں۔ اور یہ شعر پڑھے۔ ے

وکنا کندمانی خزیمۃ حقبۃً ۔۔۔ من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی ومالکا ۔۔۔ لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

ترجمہ :- اور ہم ایک زمانہ خزیمہ کے دو ہم نشینوں کی طرح رہتے تھے۔ ایک زمانہ یہی حالت رہی حتیٰ کہ کہا گیا کہ ہم دونوں جدا نہ ہوں گے۔ مگر جب ہم اور مالک ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو اس قدر طول یکجائی کے باوجود یہی معلوم ہوتا تھا کہ ہم ایک رات بھی اکٹھے نہ رہے ۔؎۲

عثمان ابن مظعون کی وفات پر رسول اللہ صلعم روئے۔ اور ان کی نعش کو بوسہ دیا اور ان کے اوپر جھکے پھر سر اٹھایا۔ پھر جھکے پھر سر اٹھایا۔ پھر جھکے پھر سر اٹھایا۔ اور بلند آواز سے فرمایا اے ابوالسائب اللہ تم سے درگزر کرے۔ تم دنیا سے اس حالت میں گئے کہ دنیا کی کسی چیز سے ملوث نہ ہوئے۔ بڑے متقی تھے۔ بقیع میں دفن

لہ اسد الغابہ۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید۔ ؎۲ اسد الغابہ۔ عبدالرحمن بن ابوبکر۔ ترمذی میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ ان میں خطاب میت سے کیا گیا ہے۔ واللہ لو

ہوئے۔ ان کی بی بی اُم جارجہ بنت یزید تھیں۔ اُنہوں نے ان کے مرثیہ میں یہ اشعار کہے۔

یاعین جودی بدمعٍ غیر ممنون	علی رزیۃ عثمان بن مظعون
علی امرئ بات فی رضوان خالقہ	طوبیٰ لہ من فقید الشخص مدفون
طاب البقیع لہ سکنی وغرقدہ	واشرقت ارضہ من بعد تعیین
واورث القلب حزناً لا انقطاع لہ	حتی الممات فی ترقی لہ شونی

ترجمہ۔ اے آنکھ آنسو بہا جس کا سلسلہ نہ ٹوٹے۔ عثمان بن مظعون کے حادثہ پر۔ ایسے شخص پر جو اپنے خالق کی رضامندی پر رات بسر کرتا تھا۔ خوش خبری ہو اس کے لئے اس کا جسم دفن ہو چکا ہے۔ بقیع اور اس کا گورستان پاکیزہ ہوگیا۔ زمین اس کے دفن سے روشن ہو گئی۔ اس کی وفات نے دل کو ایسا صدمہ پہنچایا ہے جو میری موت تک قائم رہیگا۔ اور میری یہ حالت نہ بدلے گی[۱]

حضرت علی کی وفات پر صحابہ وغیرہ نے بہت سے مرثیے کہے۔ ابوالاسود دلی۔ فضل بن عباس بن عتبہ اور اسماعیل بن محمد حمیری نے بھی قصیدے کہے ہیں تفصیلی حالات قصائد کے ان کے تذکروں میں پڑھیے۔ حضرت عمرؓ کی وفات پر حضرت عائشہ نے بھی مرثیہ کہا۔ اوروں نے بھی مرثئے کہے۔ حضرت حسّان بن ثابت نے بھی ان کا مرثیہ کہا۔ جس کے کچھ اشعار یہ ہیں۔[۲]

ثلثہ برزو بفضلہم	نفرہم الیہم اذا نشروا
فلیس من مومن لہ بصر	ینکر تفضیلہم اذا ذکروا
عاشوا بلا فرقۃ ثلثتہم	واجتمعوا فی الممات اذ قبروا

ترجمہ:۔ یہ تین تھے۔ جو اپنے فضائل کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ (رسول اللہ۔ وہ شیخین اُن کے

[۱] اسد الغابہ عثمان بن مظعون۔ [۲] تذکرہ عثمان بن مظعون۔

پروردگار نے ان کو تر و تازہ رکھا۔ جب کہ وہ ظاہر ہوئے۔ کوئی مومن صاحب بصیرت
ایسا نہیں جو ان تینوں کے فضائل کا منکر ہو۔ یہ تینوں زندگی میں اکٹھے رہے
اور جدا نہیں ہوئے۔ اور موت کے بعد بھی قبر میں اکٹھے ہو گئے[1]
حضرت عثمان کی شہادت پر بہت سے مرثیئے کہے گئے۔ چنانچہ حضرت
حسانؓ نے کہا ہے ؎

من سرّہ الموت صرفاً لامزاج لہ
فلیات مادبۃً فی دار عثمانا

ضحوا باشمط عنوان السجود بہ
یقطع اللیل تسبیحاً و قرآنا

صبراً فدا لکم امی وما ولدت
قد ینفع الصبر فی المکروہ احیانا

تسمعن وشیکاً فی دیارھم
اللہ اکبر یا ثارات عثمانا[2]

ترجمہ "جسے خالص موت دیکھنے کی خواہش ہو جس میں کسی چیز کی آمیزش
نہ ہو۔ اُسے عثمان کے گھر جانا چاہیئے۔ لوگوں نے ایک ایسے شخص کو ذبح کر ڈالا جس
کی پیشانی پر سجدے کے نشانات تھے۔ وہ تمام رات تسبیح و تلاوت میں بسر کرتا
تھا۔ صبر کرو۔ تم پر میری ماں اور بھائی فدا ہوں مصیبت کے وقت صبر اکثر نفع
رساں ہوتا ہے۔ تو ضرور ان کے شہروں میں تاخت و تاراج کی خبر سُنے گا۔ اللہ اکبر
عثمان کے خون کا بدلہ لیا جائے گا"
حضرت حسانؓ نے ان کی شہادت پر یہ مرثیہ بھی کہا ہے ؎

ان تمس دار بنی عفان موحشۃ
باب صریع و باب محرق خرب

قد یصادف باغی الخیر حاجتہ
فیھا و یاوی الیھا الجود والحسب

ترجمہ: "اگرچہ بنی عفان کے گھر وحشتناک ہو رہے ہیں۔ کوئی دروازہ گرا ہوا ہے
اور کوئی جلا ہوا۔ لیکن اب بھی وہاں طالبانِ خیر کی حاجت روائی ہوتی ہے۔ اور

[1] اسد الغابہ حضرت عمرؓ۔ [2] اسد الغابہ حضرت عثمانؓ ج ۳ ص ۵ تذکرہ حضرت عثمانؓ۔

جو دوحسب وہاں پناہ لیتے ہیں۔

خود رسول اللہ صلعم کی وفات پر بہت سے مرثیئے کہے گئے۔ حسانؓ بن ثابت نے بھی مرثیہ کہا جس کے کچھ بیت یہ ہیں۔

(۱) بطیبۃ رسم للرسول و معہد ۔ صبین وقد تعفوا الرسوم و تہمد

کیا ہی عمدہ رسم اور منزل روشن رسول کی ہے ۔ اور رسوم کبھی کبھی مٹ جاتیں اور محو ہو جاتی ہیں

(۲) ولا تمتحی الآیات من دار حرم ۔ بہا منبر الہادی الذی کان یصعد

لیکن دار حرم سے نشانیاں نہیں مٹ سکیتں ۔ وہاں تو ہادی کا ممبر ہے جس پر وہ چڑھا کرتا تھا

(۳) واضح الایات و باقی معالم ۔ و ربع لہ فیہ مصلیٰ و مسجد

وہاں روشن تریں نشانیاں اور نہ مٹنے والے علامات ہیں ۔ اور فرود گاہ ہے۔ جس میں مصلےٰ اور مسجد ہے

(۴) معارف لم تطمس علی العہد ایہا ۔ اتاہا البلی فابدی منہا تجدد

وہاں مشہور و معروف چیزیں ہیں جنکی نشانیاں کبھی نہیں مٹ سکیتں۔ ۔ ان کو کہنہ پن آپہنچا ہے تو پھر وہ نئی صورت میں نمودار ہوتی ہیں۔

(۵) عرفت بہا رسم الرسول و عہدہ ۔ و قبراً بہا واراہ فی الترب ملحد

میں نے ان سے رسم و عہد رسول کو پہچان لیا ۔ اور اس میں قبر کو جان لیا جسکی مٹی میں فرش پہنیہ ہوگئی ہے

(۶) اطالت و قوفاً تذرف العین دمعہا ۔ علی طلل القبر الذی فیہ احمد

آنکھ کا آنسو بہانا دیر تک قائم رہا ۔ اُس قبر کے نشانوں پر جس میں احمدؐ ہیں

(۷) تحیل علیہ الترب وا عین ۔ بنا کنت و قد غارت منذلک اسعد

ہاتھ اس پر مٹی ڈالتے ہیں اور آنکھیں روتی ہیں ۔ اور اس میں مبارک تریں ہستی چھپ گئی ہے

(۸) لقد غیّبوا حلماً و علماً و رحمتاً ۔ غیشۃ عالوہ الثری لا یوصد

بہ تحقیق لوگوں نے علم حلم اور رحمت کو چھپا دیا ہے۔ ۔ اس رات کو جب کہ انہوں نے اس پر مٹی ڈالی جس میں بالیں نہیں بن سکتا۔

۹- مراحوا بحزنٍ لیس فیہ نبیھم　　وقد وھنت فیھم ظھور و اعقد

وہ چلے گئے غم کے ساتھ جبکہ نبی ان میں نہ تھے　　اور ان کی پشتیں اور بازو کمزور ہو چکے تھے

۱۰- یبکون من تبکی السمٰوات موتہ　　ومن قد تبکہ الارض والناس اکمد

وہ روتے ہیں اس پر جس کی موت پر آسمان روتے ہیں　　اور جس پر زمین روتی ہے درحالیکہ لوگ اندوہگین ہیں

۱۱- وھل عدلت یوماً رزیۃ ھالک　　رزیۃ یوم مات فیہ محمد

کیا کسی دن ہلاک ہونیوالے کی مصیبت اس دن کی مصیبت کے برابر ہو سکتی ہے جس دن کہ محمد فوت ہوئے

آپ کی وفات پر حضرت صدیق اکبر، ابو سفیان، حضرت علی اور دوسروں نے بھی مرثیے کہے ہیں[۲]۔ حضرت علی کرم وجہہ اور حضرت حسانؓ نے جناب رسول اللہ صلعم کی زندگی میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی قصائد مدحیہ و مراثی کہے ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں ؎

۱- وقیت بنفسی خیر من وطی الحصی　　ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر

میں نے نگاہ رکھا اپنے نفس سے اس شخص کو جو سنگریزہ ہائے پامال کرنے والوں سے بہتر ہیں۔ اور بہترین ہے۔ ان میں سے جنھوں نے خانہ کعبہ اور حجر اسود کا طواف کیا۔

۲- رسول الالہ الخلق اذ مکروا بہ　　فنجاہ ذوالطول الکریم من المکر

جب معبود مخلوق کے رسول کے ساتھ لوگوں نے مکر کیا۔ تو ان کو خدائے توانا و بزرگ نے مکر سے بچایا

۳- وبِتُّ ارٰاعیھم متی ینشی ونی　　وقد وطنت نفسی علی القتل والاسر

میں نے رات گذاری ان کو تاکتے ہوئے۔ جبکہ وہ مجھے پریشانی میں ڈال رہے تھے۔ اور میرا نفس قتل اور قید پر قائم ہو گیا تھا۔

۴- وبات رسول اللہ فی الغار اٰمنا　　موقّیً وفی حفظ الالہ وفی ستر

رسول اللہ صلعم نے غار میں امان سے رات بسر کی۔ درحالیکہ وہ خدا کی نگہبانی اور حفاظت اور پردے میں تھے

۵ مواہب اللدنیہ جلد دوم ص ۳۰۰ ؎۲ مواہب جلد ۲ ص ۳۷ تا ۳۹ ؎۳ دیوان حضرت علی ٹالم۔ ۰۰۔ ۲۱۸ تا ۲۱۹

۵ - اردت ینصر الالہ تنبتــلاً واضمرتہ حتی اوسدہ فی قبری

اُس سے میں نے مدد حق کا ارادہ کیا از رو ئے قطع تعلق کے اور میں نے پوشیدہ رکھا اس کو تاکہ میں اُسے اپنی قبر میں تکیہ بناؤں۔

ایسے قصیدے آپ کو بے شمار ملیں گے۔ جو آپ کی تعریف میں آپ کی زندگی میں آپ کے سامنے پڑھے گئے۔ قصائد حضرت حسانؓ اور قصیدہ بانت سعاد اسی صنف سے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد بھی صحابہ نے اور دوسروں نے قصائد مدحیہ اور مراثی کہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا ہے ؎

کنت السواد لناظری فعمی علیک الناظر

آپ میری آنکھ کی مردمک تھے سو روئیں آپ پر آنکھیں

من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر

جو چاہے آپ کے بعد زندگی وہ مرے میں تو آپ کے بارے میں خوف کیا کرتا تھا۔

حضرت علی ایک اور مقام پر کہتے ہیں ؎

۱ - الاطرق الناعی بلیل فراعنی وارقنی لما استهل منادیا

۲ - فقلت لما رایت الذی اتی اغیر رسول اللہ اصبحت ناعیا

۳ - فحقق ما اشفقت منہ و لم یبل وکان خلیلی عدتی وجمالیا

۴ - فواللہ ما انساک احمد ما مشت بی العیس یوماً وجاوزت وادیا

۵ - وکنت متی اهبط من الارض تلعۃً اری اثراً قبلی حدیثاً وعافیا

۶ - جواداً تشظی الخیل عنہ کانما یرون بہ لیثاً علیهن ضاریا

۷ من الاسد قد احمی العرین مهابۃً تفادی سباع الارض منہ تفادیا

۸ - شدیداً جری الصدر نهد مصدراً هو اللیث معدیاً علیہ وعادیا

۹ - لیبلک رسول اللہ خیل مغیرۃ تثیر غباراً کالغبابۃ کابیا

۱۰۔ یلیک رسول اللہ صفٌ مقدمٌ اذا کان ضرب الھام نقفا لیا

ترجمہ ا۔ دیکھودات کو موت کی خبر دینے والا آیا۔ سو اُس نے مجھے ڈرایا اور بے خواب کر دیا۔ جب کہ اُس سے منادی کی آواز بلند ہوئی۔

۲۔ جب میں نے خبر لانے والے کو دیکھا تو میں نے اُسے کہا کہ کیا تو رسول اللہ کے سوا اور کسی کی خبر مرگ دینے والا ہے۔

۳۔ پس وہ بات ثابت ہو گئی جس سے میں ڈرتا تھا۔ اور اس سے کچھ باک نہ کرتا تھا۔ وہ میرا دوست ساز گار اور خوبیوں والا تھا۔

۴۔ خدا کی قسم جب تک مجھے اُونٹ لے جاتے رہیں گے اور میں وادی سے گذرتا رہوں گا میں اے احمد تمہیں نہ بھولوں گا۔

۵۔ جب کبھی میں پشتہ زمین سے اُترتا ہوں۔ میں اپنے آگے نیا اور پُرانا نشان دیکھتا ہوں۔

۶۔ وہ جواں مرد ہے۔ اس سے سوار گریز کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ شیر دیکھتے ہیں۔ جو اُن کا شکار کرنیوالا ہو

۷۔ ان شیروں میں سے جو جنگل کی ہیبت سے نگاہبانی کرتے ہیں۔ اور جس سے درندے خلاصی ڈھونڈتے ہیں۔

۸۔ مرد شدید دلیر۔ فراخ سینے والا وہ شیر ہے جس پر حملہ کیا گیا ہے اور جو حملہ آور ہے۔

۹۔ چاہیئے کہ رسول اللہ صلعم پر تیز رو سوار روئیں۔ جو یہاں سیاہ بادل جیسا غبار اٹھاتے ہیں۔

۱۰۔ چاہیئے کہ رسول اللہ صلعم پر آگے بڑھنے والی صف روئے جب کہ سروں کو توڑنے ڈھونڈھ کر اُڑانے کا موقع ہو۔

اسی طرح اور بہت سے شواہد کتب رجال سے مل سکتے ہیں۔ ان شواہد سے صحابہ کا یہ عمل ظاہر ہے کہ وہ شہیدوں اور منقتولوں کی وفات پر قصیدے اور مرثئے پڑھا کرتے تھے۔ بنی صلعم نے یا کسی اور نے ان کی اس روش پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ان شواہد کی موجودگی میں اب بھی اگر کوئی کہے کہ ایسا کرنا ناجائز ہے۔ تو

یہ اُسکے سوءِ فہم کا نتیجہ ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو۔ اور ان کی بُرائیوں سے رُکا کرو۔ جیسا کہ ترمذی اور ابو داؤد کی روائیت میں ہے[1]
باقی رہا اموات سے دُعا چاہنا۔ انبیاء اور صالحین تو اپنے دینی بھائیوں کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ اور دیگر اعمال صالح بھی جو اُن سے ہو سکتے ہیں جاری رکھتے ہیں۔ اور جب وہ دعائیں کرتے ہیں تو اُن سے استدعا دعا کی بھی ہو سکتی ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ ہماری استدعا ان تک کس طرح پہنچ سکتی ہے۔ کامل مومن تو اللہ کے نور سے دیکھتے سُنتے سمجھتے۔ بولتے ہیں[2] اور یہ دیکھنا۔ سُننا۔ سمجھنا روح کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ان کی قبروں کے سامنے جاکر اگر آپ دل میں کوئی استدعا رکھیں گے تو وہ فوراً معلوم کریں گے۔ کیونکہ ان کی رُوح اللہ تعالےٰ کے نُور سے ایک ایسا آئینہ صاف وشفاف بن گئی ہوتی ہے جس پر دوسرے دلوں کا عکس پڑتا رہتا ہے۔ علاوہ اس کے ترمذی میں ہے۔ کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے[3] اور یہ فراست روح سے تعلق رکھتی ہے۔ گذشتہ ابواب میں یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ جو کمالات کامل مومن دُنیا میں رہ کر حاصل کرتے ہیں۔ وہ وفات کے بعد اُن سے زائل نہیں ہوتے بلکہ ان میں کچھ اضافہ ہی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں جب کوئی شخص کسی کامل مومن کے مقبرے کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اہلِ مقبرہ کی رُوح آموجود ہوتی ہے۔ اور اپنی فراست کے نور سے حاضر شخص کے دل کے حال سے آگاہی حاصل کرتی ہے اس لئے کامل مومنوں اور نبیوں کی رُوحوں سے استمداد نا جائز نہیں۔ دیکھو اعتقادات

---

[1] مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا۔ [2] بخاری کی مشہور حدیث ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب ذکر اللہ [3] منتخب جلد اول فراستہ۔

۱۲-۱۳-۱۴ الشیخ ابنِ تیمیہ کا یہ خیال ہے کہ اس طرح مُردوں کی شان میں قصیدے
کہہ کر اُن سے مرادیں مانگنا اور منّتیں ماننا ایک نئی چیز ہے۔ یہ اسلام میں نہ مشروع
ہے نہ واجب اور نہ مستحب۔ مُردوں کی شان میں قصیدے کہنا صحابہ کا عمل تھا۔ جیساکہ
ہم نے اُوپر شواہد سے ثابت کر دیا ہے۔ ان سے دُعائیں مانگنا بھی جائز ہے۔
جیساکہ اُوپر جواب (۲) میں ظاہر کیا جاچکا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا نذر ماننا جائز
ہے کہ نہیں۔ حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ طاعت میں نذر کا پورا کرنا ضروری ہے
نسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نذر دو قسم کی ہوتی ہے۔
جو کوئی اللہ کی طاعت کی نذر رکھے تو ایسی نذر اللہ کے لئے ہے۔ اسے پورا کیا
جائے۔ جو کوئی معصیت میں نذر رکھے۔ تو ایسی نذر شیطان کے لئے ہے۔ اسے
پورا نہ کیا جائے۔ [۱] صحیحین میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلعم سے عرض
کی کہ میری والدہ نے نذر رکھی تھی۔ مگر وہ پورا کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گئی۔ اس
میں آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ نذر کو اس کی طرف سے پورا کیا جائے [۲]
مسلم کی روایت میں ہے کہ گناہ کی نذر کا پورا کرنا جائز نہیں۔ اور نہ اس نذر کا پورا
کرنا جائز ہے جو بندے کے اختیار سے باہر ہو۔ [۳] صحیح بخاری کی روایت ہے۔ کہ
جو کوئی اطاعت کی نذر رکھے وہ پورا کرے اور جو کوئی معصیت کی نذر رکھے وہ
پورا نہ کرے [۴] صحیحین میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ نذر نہ رکھو۔ کیونکہ وہ قضا کے
مقابل پر کچھ مفید نہیں پڑتی۔ اور کیونکہ اس سے کنجوس کا اس شئے کا مطلوب ہے
جو وہ نکالنا نہیں چاہتا۔ [۵] صحیح بخاری میں ہے کہ سعید بن الحرث نے ابنِ عمر کو یہ
کہتے ہوئے سُنا کہ کیا لوگ نذر سے باز نہ رہیں گے۔ کیونکہ نبی صلعم نے کہا ہے کہ نذر

[۱] مشکوٰۃ باب الایمان والنذور۔ [۲] مشکوٰۃ باب الایمان والنذور۔ [۳] مشکوٰۃ باب الایمان
والنذور۔ [۴] مشکوٰۃ باب الایمان والنذور۔

نہ تو کسی چیز کو آگے کر سکتی ہے نہ پیچھے[1] نہی عن النذر کے مسئلے میں امام بن حجر عسقلانی نے بھی مختلف آراء کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ کچھ اقتباسات ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کرتا ہوں[2] وہ کہتے ہیں کہ علماء کا اس نہی کے بارے میں اختلاف ہے بعضوں نے اس نہی کو ظاہر پہ محمول کیا ہے۔ اور بعضوں نے اس کی تاویل کی ہے۔ ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں نذر کے متعلق نہی یا تکرار وارد ہوئی ہے۔ اور یہ تکرار نذر کی تاکید کے لئے۔ اور اس غرض کے لئے ہے تاکہ لوگوں کو ڈرایا جائے کہ وہ نذر کے واجب ہونے کے بعد اس کے متعلق غفلت سے کام نہ لیں۔ اور اس نہی سے اگر مراد نذر سے روکنا ہوتا۔ حتیٰ کہ کوئی نذر نہ رکھتا تو پھر اس سے نذر کے حکم کا ابطال ہوتا۔ اور نذر کے پورا کرنے کا لزوم ساقط ہو جاتا۔ کیونکہ نہی کی صورت میں نذر رکھنا گناہ ہوتا اور پھر نذر لازم نہ ہوتی۔ لیکن اس حدیث کے وارد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ نذر سے کوئی نفع زمانہ مستقبل میں نہیں پہنچتا۔ اور نہ اُس سے کوئی نقصان دور ہوتا ہے۔ اور نہ اس سے تقدیر بدلتی ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ نذر نہ رکھو۔ اس اعتقاد سے کہ تم نذر سے وہ چیز پالو گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر نہیں کی یا تم سے وہ چیز ہٹ جائے گی جو تمہارے لئے مقدر کی گئی ہے۔ لیکن جب تم نذر رکھو تو اُسے پورا کرو۔ کیونکہ جو نذر تم نے رکھ لی ہے اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ ابو عبید کہتے تھے کہ نذر سے نہی اور اس میں تشدید کی وجہ یہ نہیں کہ نذر سے کوئی گناہگار بنتا ہے۔ اگر صورت ایسی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کے پورا کرنے کا حکم نہ دیتا اور نہ پورا کرنے والے کی تعریف کرتا۔ لیکن نہی کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ نذر کی شان کو بڑھایا جائے اور اس کے معاملے کو اہم قرار دیا جائے

---

[1] بخاری باب الوفاء بالنذر [2] فتح الباری جلد ۱۱ ص ۱۲۱ تا ۱۲۴

تاکہ نذر کے بارے میں غفلت اور اس کے ایفا میں قصور واقع نہ ہو۔ جو کچھ کتاب اللہ
اور سنت میں ایفائے نذر کی ترغیب کے بارے میں وارد ہوا ہے۔ اس سے
ہر ایک نے استدلال کیا ہے۔ اور اسی کی طرف مازری نے اشارہ کیا ہے۔ جبکہ
وہ کہتے ہیں کہ ہمارے کچھ علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس حدیث سے غرض یہ
ہے کہ نذروں کا تحفظ کیا جائے۔ اور اس کے ایفاء کی ترغیب دی جائے۔ یہ میرے
نزدیک ظاہر حدیث سے بعید ہے۔ اس حدیث کے وارد ہونے کی یہ وجہ بھی
ہو سکتی ہے کہ نذر نہ رکھنے والا اس قربت کو مستقل طور ادا کرے گا۔ کیونکہ یہ اس کے
لئے ایک طرح کا لزوم پیدا کرتی ہے۔ اس حدیث کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
جب نذر رکھنے والا کسی قربت کی نذر نہیں رکھتا مگر ساتھ اس شرط کے کہ اس
کے ساتھ وہی سلوک ہو جو وہ چاہتا ہے۔ تو پھر یہ ایک ایسی صورت معاوضہ
بن جاتی ہے جس سے متقرب کی نیت میں فرق آجاتا ہے۔ اور اسی تاویل کی طرف
اشارہ ہے۔ ان کے قول انہ لا یاتی بخیر کا۔ اور قول انہ لا یقرب من ابن آدم
شیئ لم یکن اللہ قدرلہ کا۔ یہ حدیث اس تعلیل پر نص کی طرح ہے۔ انتہیٰ۔
پہلا احتمال اقسام نذور کے لئے عام ہے۔ اور دوسرا احتمال نوعِ مجازات کے
لئے خاص ہے۔ قاضی عیاض نے یہ اضافہ کیا ہے کہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث کھلے
بندوں کہہ دیتی ہے کہ نذر تقدیر پر غالب نہیں آسکتی۔ اور نہ نذر سے بہتری حاصل ہو سکتی
ہے۔ مالک کے مذہب کا لب لباب یہ ہے کہ نذر مباح ہے۔ لیکن اگر یہ نذر
ہمیشہ متکرر باوقاتِ مختلف ہو۔ اور اس کا ایفاء نذر رکھنے والے کو ثقیل معلوم ہو
اور وہ نذر کو تکلّف کے ساتھ بلا طیب خاطر اور بلا نیتِ خالص ادا کرے۔ تو اس
وقت نذر مکروہ ہے۔ اکثر شافعیوں کا بیان ہے اور ابو علی سنجی سے نصِ شافعی کی
بنا پر منقول ہے کہ نذر مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں نہی ثابت ہے۔ اور اسی

طرح مالکیہ سے منقول ہے۔ اور ابن دقیق العید نے تو اس کراہت کا قطعی حکم دیا ہے۔ اور اس نے یہ استدلال کیا ہے کہ نذر طاعت محض نہیں کیونکہ اس سے خالص قربت کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ نذر سے مقصد اپنے آپ کو فائدہ پہنچانا یا اپنے آپ سے نقصان دُور کرنا ہوتا ہے۔ حنبلیوں نے بھی قطعی طور کراہت کا حکم دیا ہے۔ ان کی ایک روایت کے رُو سے نذر کراہت تحریمی میں آتی ہے۔ مگر بعضوں نے اس کی صحت میں توقف کیا ہے۔ ابن مبارک کا قول ہے کہ نذر کا مکرُوہ ہونا طاعت اور معصیت دونوں صورتوں میں ہے۔ اگر کوئی طاعت کی نذر رکھے اور اُسے پُورا کرے تو اس کے لئے اجر ہے۔ لیکن نذر بجائے خود مکرُوہ ہے ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ ایسا خیال کرنے میں قواعد پر اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ قواعد تقاضا کرتے ہیں کہ طاعت کا وسیلہ طاعت ہے جیسا کہ معصیت کا وسیلہ معصیت ہے اور نذر التزام قربت کا وسیلہ ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ نذر قربت ہو۔ مگر بات یہ ہے کہ حدیث کراہت پہ دلالت کرتی ہے۔ اس لئے اس نے نذر مجازاۃ اور نذر ابتداً کے مابین تفریق کی ہے۔ اور نہی کو نذر مجارات سے منسوب کر کے نذر ابتداً کو خالص قربت قرار دیا ہے۔ ابی الدم نے شرح الوسیطہ میں بیان کیا ہے کہ قیاس کے رُو سے نذر مُستحب ہے اور کہ مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے۔ جو آزادانہ طور کہتا ہے کہ نذر مکرُوہ نہیں۔ باوجود کہ نذر صریح طور مکرُوہ ہے۔ اس لئے اقل درجہ اس کا یہ ہے کہ یہ مکرُوہ تنزیہی ہے جنہوں نے نذر کا استحباب پر مبنی کیا ہے۔ ان میں سے نووی بھی ہے۔ انہوں نے شرح المہذب میں کہا ہے کہ نماز میں نذر کا تلفظ نماز کو باطل نہیں کرتا۔ کیونکہ نماز مناجات ہے۔ قاضی حسین اور غزالی سے منقول ہے کہ نذر مستحب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نذر کے پورا کرنے والے کی تعریف کی ہے۔ اور چونکہ وہ قربت کا وسیلہ ہے۔ اس لئے خود قربت ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے

کہ جس نذر کی کراہت پر حدیث دلالت کرتی ہے وہ نذر مجازاۃ ہے۔ لیکن نذر تبرّر
قربتِ محض ہے۔ کیونکہ نذر رکھنے والے کے لئے اس میں غرض صحیح ہے۔ اور وہ
یہ کہ اُسے واجب کا ثواب ملے اور وہ نفل کے ثواب سے اُوپر ہے۔ قرطبی نے
بھی مفہم میں حدیثوں کی نہی کو قطعی طور نذر مجازاۃ پر محمول کیا ہے۔ ان کا قول
ہے کہ اس نہی کا محل یہ ہے کہ کوئی کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے مریض کو اچھا
کرے گا تو میں یہ صدقہ دوں گا۔ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے قربت
مذکورہ کا فعل غرض مذکور کے حصول پر موقوف رکھا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ اس نے خالص تقرب کی نیت سے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے طریقِ معاوضہ
اختیار کیا اور یہ بات واضح ہے کہ اگر اس کا مریض راضی نہ ہوگا تو وہ یہ صدقہ نہ دیگا
جو اس نے شفا پر معلّق رکھا ہے اور یہی حالت بخیل کی ہے کیونکہ وہ اپنے مال سے
کچھ بھی نہیں نکالتا۔ الا معاوضۂ عاجل کے بدلے جو غالباً اس سے زیادہ ہوتا ہے
جو وہ نکالتا ہے۔ اور یہی معنی اس حدیث میں مشاراً الیہ ہے۔ کبھی اس کے ساتھ جاہل
کا یہ اعتقاد بھی شامل ہو جاتا ہے کہ نذر اس غرض کے حاصل ہونے کا موجب بنتی
ہے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس نذر کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ انہی دونوں
اعتقادوں کی طرف حدیث میں اشارہ ہے۔ کیونکہ نذر تقدیر کو بالکل نہیں رد کرتی۔
پہلی حالت کفر کے نزدیک ہے۔ اور دوسری حالت صریح خطا ہے۔ انتہیٰ۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ میری رائے میں نذر ابتداءً قربتہ ہے کیونکہ اس میں کسی
معاوضہ کا خیال نہیں۔ اور نذر رکھنے والا قربت کی غرض سے ایسی نذر رکھتا ہے۔
اور چونکہ یہ نذر قربتہ کا وسیلہ ہے اس لئے خود قربتہ ہے۔ لیکن نذر مجازاۃ میں زیادہ
سے زیادہ کراہت تنزیہی مفہوم ہو سکتی ہے لیکن بعض کے قول کے مطابق یہ نذر بھی مباح
ہے لیکن جب ایسی نذر رکھی جائے اور مطلب حاصل ہو۔ تو پھر اس کا بھی پورا کرنا واجب

ہے۔ بشرطیکہ وہ معصیت کے متعلق نہ ہو[۱] انتہیٰ۔

پس ہماری رائے میں نذر کی تین قسمیں مفہوم ہوتی ہیں۔

اوّل :- نذر تبرر۔ یعنی نذر ابتداء۔ جس میں مجازات کا خیال نہیں ہوتا۔ اور انسان نذر رکھ لیتا ہے۔ کہ وہ فلاں وقت روزہ رکھے گا۔ یا نفل پڑھے گا یا حج کرے گا۔ یا وہ صدقہ دے گا۔ ایسی نذر قربتہ ہے۔ اور اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ والذین یوفون بالنذر الآیہ۔ اس نذر میں معاوضہ نذر کا طلب نہیں کیا جاتا۔ اور نہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نذر سے تقدیر آگے پیچھے ہوگی۔ ایسی نذر قربتہ کا وسیلہ ہے اور اس لئے خود قربتہ ہی

دوئم :- نذر مجازاۃ۔ ایک شخص نذر رکھتا ہے کہ اس کا فلاں مطلب حل ہوگا تو وہ حج کرے گا۔ صدقہ دے گا وغیرہ وغیرہ۔ ایسی نذر کی نسبت یہ اعتراض ہوسکتا ہی کہ نذر رکھنے والا شائد یہ اعتقاد رکھتا ہے۔ کہ اس نذر سے تقدیر آگے پیچھے ہوسکتی یا ٹل سکتی ہے۔ حالانکہ صورت ایسی نہیں۔ اس اعتقاد کی وجہ سے یہ نذر مکروہ ہے بعض اسے مکروہِ تحریمی خیال کرتے ہیں۔ اور بعض مکروہ تنزیہی۔ اس کی نسبت یہ فیصلہ ہے کہ اگر کوئی ایسا اعتقاد رکھے گا تو پھر یہ نذر مکروہ ہے۔ ورنہ مباح۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔

سوئم۔ یہ نذر بھی از قسمِ مجازاۃ ہے۔ مگر یہاں توجہ نبی یا ولی کی رُوح کی طرف ہوتی ہے اور نذر رکھنے والا یہ نیت کرتا ہے کہ اگر فلاں نبی یا ولی کی دُعا و توسل سے اس کا یہ مطلب حل ہوجائے گا تو وہ یہ صدقہ دے گا۔ یا کوئی اور قربتہ ادا کرے گا۔ جس کے ثواب کی مستحق اس نبی یا ولی کی روح ہوگی۔ اس نذر میں وسیلہ نبی یا ولی کی دعا کا لیا جاتا ہے۔ اور دعا میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ قضا کو ٹال دیتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے[۲] پس اگر کوئی نذر رکھے اور کسی مومن یا نبی کی دُعا کا وسیلہ لیوے تو یہاں اُس کا

---

[۱] فتح الباری جلد ۱۱ ص ۴۹۱ تا ۴۹۳ [۲] لا یرد القضاء الا الدعا۔ ترمذی ابن ماجہ۔

یہ اعتقاد کہ دعا سے قضا ٹل جائے گی خلاف اصول نہیں پڑتا۔ جیسا کہ دوسری قسم کی
نذر کی صورت میں ہے۔ اس قسم کی نذر مطلق طور مباح ہے۔ اور جب ایسی نذر رکھی جائے
تو مطلب حل ہونے پر اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ نبیوں اور ولیوں کی رُوح سے وسیلہ
دعا کا لینا جائز ہے۔ جیسا کہ گذشتہ ابواب اور جوابات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس نذر کے
صدقہ کو لوگ مختلف طور تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ یہ فلاں پیر کی نذر نیاز ہے۔ یہ
رسول اللہ صلعم کی نیاز ہے۔ یہ فلاں صاحب قبر کی نیاز ہے۔ اصل میں ایسی نیاز
صدقہ عن میت ہوتی ہے۔ جو نصوص کی رُو سے مطلق طور مشروع ہے ایسی نذر رکھنے
والا اپنا مطلب حاصل ہو جانے پر صدقہ اللہ کے نام پہ دیتا ہے۔ اور اس کا ثواب
اس مومن یا نبی کی رُوح کو پہنچاتا ہے۔ جس کی دُعا سے اس نے توسل کیا تھا۔ اس
طرح کے صدقے کو عرفِ عام میں نیاز کہتے ہیں۔ یہ کہنا کہ نیاز فلاں بزرگ کی ہے
عرفِ عام کی رُو سے جائز ہے۔ جیسا کہ مساجد کی نسبت یہ مانی ہوئی بات ہے کہ
وہ اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہیں۔ اور انہیں مساجد اللہ کہا جاتا ہے۔ لیکن عرفِ عام میں
مسجد بنی فلاں بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے ایک مسجد اللہ کو مسجد بنی زریق
کے نام سے یاد فرمایا[1] نذر رکھنے والا بجائے اس کے کہ یہ کہے کہ وہ فلاں بزرگ کی
رُوح کی طرف توجہ کرتا اور اس کی دعا کا وسیلہ لیتا ہے اور مطلب حل ہونے پہ
وہ اس قدر صدقہ اللہ کے نام پہ دے گا اور اس کا ثواب فلاں بزرگ کی رُوح کو
پہنچے گا۔ وہ اختصار کے خیال سے کہ دیتا ہے کہ میں نے فلاں بزرگ کی نذر رکھی ہے
جس نذر سے نیت اس کی وہی ہوتی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ لیکن اگر اس کی نیت
یہ نہ ہو۔ بلکہ یہ نیت ہو کہ وہ اللہ کے نام کی بجائے صدقہ کسی مخلوق کے نام پہ
دیتا ہے تو ایسا کرنا اسباب شرک سے ہے اور ایسی نذر گناہِ کبیرہ ہے۔ ان حالات

[1] بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ باب ہل یقال مسجد بنی فلاں جلد اول ص ۵۹۔

ہیں یہ قطعی طور جائز ہے کہ کسی فوت شدہ نبی یا ولی کی توصیف میں کوئی منثور یا منظوم عبارت (قصیدہ) کہہ کر یا لکھ کر اس کی رُوح سے استمداد بصورت دعا حاصل کی جائے اور ایسی دعا کے لئے انجاح حوائج کی شرط سے کوئی نذر رکھی جائے۔ یہ اسلام میں کوئی نئی بات نہیں۔ یہ پہلے بھی ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔

صدقہ عن میت کے متعلق بھی کچھ نصوص ناظرین کی آگاہی کے لئے درج کئے دیتا ہوں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے۔ صدقہ جاریہ یا علم جس سے لوگ فائدہ اُٹھائیں یا ولد صالح جو اس کے لئے دعا کرے [۱] ابوداؤد اور نسائی میں ہے کہ سعید بن عبادہ نے عرض کی یا رسول اللہ اُم سعد فوت ہوگئیں۔ اب کونسا صدقہ ان کے لئے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا پانی۔ اس لئے سعد نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ اُمِ سعد کے لئے ہے [۲] جابر سے روایت ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا (یعنی قلبہ رانی کر کے آباد کیا) تو اس کے لئے اس میں اجر ہے۔ جو کچھ طالبِ رزق (انسان حیوان، چرند، پرند وغیرہ) اس سے کھائیں تو وہ اس کے لئے صدقہ ہے [۳] صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میری والدہ دفعتاً فوت ہوگئی ہے۔ مجھے خیال ہے کہ اگر وہ بولتی تو وہ ضرور کچھ صدقہ دیتی۔ اب اگر میں اس کے لئے صدقہ دوں تو کیا اس کے لئے اس کا ثواب ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں [۴] صحیح مسلم میں ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی یا رسول اللہ میں نے ایک لونڈی اپنی والدہ کو صدقے میں دی تھی۔ مگر میری والدہ اب مرچکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے اجر صدقہ کا واجب ہوا۔ اور وہ لونڈی اب تیری طرف میراث میں واپس آگئی۔ اس نے عرض کی کہ اس پر ایک مہینے کے روزے

---

[۱] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ ص [۲۱] [۲،۳] مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ دارمی [۴،۵] مشکوٰۃ باب صدقۃ المرأۃ من مال الزوج

واجب تھے۔ کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں۔آپ نے فرمایا تو اس کی
طرف سے روزے رکھ۔ پھر اس نے عرض کی کہ اس نے حج نہیں کیا ہے۔ کیا میں
اس کی طرف سے حج ادا کروں۔آپ نے فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج ادا کر[1] اس
مسئلہ میں آئمہ کا اختلاف ہے کہ کیا صوم کی جگہ صوم اور نماز کی جگہ نماز ادا کی جائے
امام احمد کے نزدیک صوم کی جگہ صوم اور نماز کی جگہ نماز ادا کرے۔ لیکن دیگر آئمہ
مالک ابوحنیفہ اور شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ ایک ایک صوم اور ایک ایک نماز
کے بدلے صدقہ دیوے۔ ایک صاع جو یا نصف صاع گندم۔ ان تین اماموں کا
استدلال روایاتِ ذیل پر مبنی ہے۔ نافع کی ابنِ عمرؓ سے روایت ہے۔ نبی صلعم نے
فرمایا کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر رمضان کے روزے واجب رہ گئے
ہوں تو اس کے ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے[2]
امام مالک سے روایت ہے کہ ابنِ عمرؓ سے لوگ پوچھتے تھے کہ کیا کوئی ایک روزے
کے بدلے روزہ رکھے اور نماز کے بدلے نماز پڑھے۔ تو آپ کہتے تھے کہ کوئی کسی
کے لئے روزہ نہ رکھے اور نہ کسی کے لئے نماز پڑھے[3]۔ اس لئے ہمارے نزدیک
صحیح یہ ہے کہ میت کی طرف سے نمازوں اور روزوں کے بدلے کوئی صدقہ دیوے
اور حج کی جگہ حج ادا کرے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اس کے متعلق تفصیلی اور
جزوی احکام کتبِ فقہ میں دیکھئے

۴۔ اس پر اوپر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے کہ فوت شدہ نبی سے دعا کی
استدعا ہو سکتی ہے (دیکھو جوابات ۲ و ۳۔ ۵ و ۶) ملائکہ سے دعائیں مانگنا مشروع
نہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے ہم جنس نہیں اور نہ وہ ہم سے مرتبہ میں بڑھ کر ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ باب من لا یعود فی الصدقہ۔ [2] مشکوٰۃ باب القضا روایت ترمذی [3] مشکوٰۃ باب القضا روایت موطا۔

یہ دوسری بات ہے کہ وہ ہمارے لئے خود بخود استغفار مانگتے رہتے ہیں۔ نبیوں اور کامل مومنوں سے دعائیں کرانا جس طرح ان کی زندگی میں مفید ہے اسی طرح ان کی وفات کے بعد بھی مفید ہے۔ کیونکہ ایسے کامل لوگوں سے ان کی دعا کا اثر ان کے فوت ہونے پر زائل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ جوابات اور ابوابِ گذشتہ میں بیان کیا گیا ہے۔ شیخ ابنِ تیمیہ نے اگر اسد الغابہ کا یا کسی دوسرے جامع تذکرہ کا مطالعہ بالاستیعاب کیا ہوتا تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت خاتم النبیین نے اپنے صحابہ کو فرمایا تھا کہ اویس قرنی سے اپنے لئے دعائے استغفار کرانا چنانچہ اس حکم کے مطابق حضرت عمرؓ اور دو ایک اور صحابہ نے اپنے لئے حضرت اویس قرنی سے استغفار کی دُعا کرائی [۱] غیر اللہ کو پکارنے اور ان کو مخاطب کرنے کے متعلق دیکھو ابحاث باب سوئم فقرہ ۲ تا ۱۵۔ غیر اللہ سے سوال کے متعلق دیکھو اعتقادات ۱۲-۱۳-۱۴۔ ترمذی کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک نابینا کو یہ دعا سکھائی۔ اللھم انی اسالک اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمت یا محمد انی توجہت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ فتضی لی اللھم فشفعہ فی [۲] اس دعا کو عثمان بن حنیف نے رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد خلیفہ ثالث کے زمانے میں استعمال کیا اور اپنا مطلب حاصل کیا۔

اس حدیث سے ذیل کی باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔

اول :۔ یہ دُعا مشروع ہے اور کسی خاص وقت کے لئے موضوع نہیں۔ اس لئے ہر وقت ہو سکتی ہے۔ آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی۔

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت اویس کرنی الف جلد ۵ ص ۲۰۹ تا ۲۹۱ بروایت مسلم وغیرہ تذکرہ اویس

[۲] ترمذی جلد ۲۔ ص ۱۹۷ ابواب الدعوات

دوئم جب نبی سے استمداد کی ضرورت درپیش ہو۔ تو ان کو بصیغہ خطاب پکارا جاسکتا ہے اور ان سے مدد مانگی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک ولی اور کامل مومن سے مدد لی جاسکتی ہے۔ اور ان کو مدد کے وقت پکارا جاسکتا ہے۔

سوم۔ ایک طرف اللہ تعالےٰ کو اور دوسری طرف رسول اللہ کو بیک وقت پکارنا جائز ہے۔

چہارم:۔ وسیلہ ذات کا اور دعا کا لینا جائز ہے۔ اندھا نبی الرحمت کہ کر وسیلہ ذات کا لیتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ رسول اللہ صلعم اس کے لئے دعا بھی کرتے ہیں۔ مگر الفاظ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وسیلہ ذات کا لیا گیا۔

پنجم۔ اسی طرح ہر ایک زندہ اور فوت شدہ ولی اور نبی کی ذات اور دعا کا وسیلہ لیا جاسکتا ہے۔ اور ان کو بھی اسی طرح خطاب ہوسکتا ہے۔ جس طرح کہ نبی الرحمت کو خطاب کیا گیا۔ کیونکہ اصول ہر جگہ ایک ہی ہے۔

ششم۔ شفاعت بھی دو قسم کی ہے۔ ایک وہ شفاعت جو قیامت کے دن خاتم النبیین کریں گے۔ دوسری وہ شفاعت جو نبی الرحمت ہر وقت کر سکتے ہیں۔ زندگی میں بھی اور بعد وفات بھی[1] اس طرح کی شفاعت ہر ایک ولی اور کامل مومن کی لی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اصول ہر جگہ ایک ہے صحیحین۔ نسائی۔ ترمذی۔ ابوداؤد میں ہے اشفعوا توجروا ولیقضی اللہ علی لسان نبیہ ماشاء[2] یعنی شفاعت کرو۔ تم کو اجر ملیگا اور اللہ تعالےٰ نبی کی زبان پہ جو چاہتا ہے پورا کرتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر قسم کی شفاعت کا مفہوم قیامت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ اس اصطلاح کا استعمال دونوں طرح سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اور پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے۔ اس حدیث کے رُو سے ہر ایک مومن آپ کی وفات کے بعد بھی آپ سے توسل کر سکتا ہے اور آپ کو

---

[1] دیکھو باب سوم فقرہ ۱۴۳ [2] منتخب جلد اوّل ص ۲۰۰ شفاعت قرآن میں ہے من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منھا الخ نساء

پکار سکتا ہے۔ اور آپ سے عرض بھی کر سکتا ہے۔ کہ میرے فلاں معاملے میں شفاعت کرو۔ میرے لئے استغفار مانگو۔ جیسا کہ نابینا نے آپ کے توسّل سے بینائی کا سوال کیا تھا۔ اور آپ سے عرض بھی کی تھی کہ میرے لئے وسیلہ بنیئے۔ نبی زندہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن سے ایسی استدعایں بعد وفات بھی ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث کا منشا ہے اور جیسا کہ عثمان بن حنیف نے حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں آپ سے توسل کیا اور اس دعا کے پڑھنے سے اس کا مطلب حل ہؤا۔ اس مضمون پر مفصل بحث گذشتہ ابواب میں بھی ہو چکی ہے۔ شیخ ابنِ تیمیہ کی تقاریر سے شاید بعضوں کو یہ خیال پیدا ہؤا ہوگا کہ شفاعت کا مفہوم صرف حشر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حشر والی شفاعت کو شفاعتِ عظمیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن بنی آدم کا سردار ہوں گا اور میں وہ پہلا ہوں گا جس سے قبر پھٹ جائے گی۔ اور میں پہلا شافع اور پہلا مشفع ہونگا[۱] دوسری حدیث میں ہے۔ انا اول شفیع فی الجنۃ[۲] ایک اور حدیث میں ہے۔ واعطیتُ الشفاعۃ[۳] یہ آپ کے پانچ خصائص میں سے ایک ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ میں نبیوں کا امام۔ اُن کا خطیب ان کا صاحب شفاعت ہوں گا۔ میں یہ فخریہ نہیں کہتا[۴] ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے۔ انبیاء و علماء و شہداء[۵] اس حدیث میں عالم سے عالمِ ظاہر مراد نہیں۔ بلکہ عالمِ باعمل یعنی کامل مومن مراد ہیں۔ جن کو صدیق بھی کہتے ہیں۔ دوسری قسم کی شفاعت شفاعتِ صغریٰ کہلاتی ہے۔ اور ایسی شفاعت دینی اور دنیاوی امور سے تعلق رکھتی ہے۔ مجمع البحار میں ہے الشفاعۃ تکرت فی الحدیث و

---

[۱] اول شافع و اول مشفع روایت مسلم مشکواۃ باب فضائل سید المرسلین۔

[۲] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین مسلم [۳] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین بخاری و مسلم [۴] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ترمذی۔ وصاحب شفاعتہم [۵] مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ۔

وتتعلق باموراً لدنیا والاخرۃ وھی السوال فی التجاوز عن الذنوب والجرائم بشفع
فھو شافع وشفیع والمشفع یلقبلہا والمشفع من یقبل شفاعتہ۔ کسی شخص
کو دنیا میں کوئی دینی یا دنیاوی حاجت لاحق ہوتی ہے وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت
میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔ اور اس معاملہ میں شفاعت کا خواستگار ہوتا ہے۔ جیسا
کہ نابینا نے کیا اور اس نے فشفعہ فی کے الفاظ استعمال کیئے۔ یہ الفاظ جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھانے پر نابینا نے کہے تھے۔ جس کا مطلب یہ
ہے کہ دنیا میں بھی جو مطلب برآری کی درخواست آپ سے کی جائے، اس پر
بھی شفاعت کا لفظ اطلاق پذیر ہوتا ہے۔ شفاعت کے مفہوم کو اور بھی عام کیا
گیا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں ہے افضل الشفاعۃ ان تشفع بین الاثنین فی النکاح[۱]
یعنی بہترین شفاعت یہ ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں دو کے درمیان شفاعت کی جائے
طبرانی اور شہب الدعان بیہقی میں ہے۔ افضل صدقۃ اللسان الشفاعۃ تفک بہا الاسیر
وتحبس بہا الدم وتجر بہا الاحسان والمعروف الی اخیک وتدفع عنہ الکریھۃ یعنی بہترین صدقہ زبان
کی شفاعت ہے جس سے تو قیدی کو آزاد کرائے۔ خون کو بچائے۔ اپنے بھائی سے
احسان اور نیکی کرے۔ اور اس سے تکلیف دور کرے[۲] صحیحین اور ابوداؤد میں ہے
یا اسامۃ اتشفع فی حد من حدود اللہ[۳] یعنی اے اسامہ کیا تو حدود اسلامی سے
کسی حد کے بارے میں شفاعت کرتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ شفاعت کے
مفہوم کو شفاعتِ کبریٰ کے مفہوم کے ساتھ مخصوص کرنا چاہیے۔ بلکہ اس لفظ کے
استعمال کا اعتبار ہر موقع کے لحاظ سے ہونا چاہیئے۔ لسان العرب میں ہے استشفعتہ
الی فلان ای سالتہ ان یشفع لی الیہ۔ وتشفعت الیہ فی فلان فشفعنی فیہ
تشفیعاً قال حاتم یخاطب النعمان ـ

[۱] منتخب جلد اول ص ۲۰۱۔ شفاعۃ[۲] منتخب جلد اول ص ۲۰۱۔ شفاعت۔ [۳] منتخب جلد اول ص ۲۰۱

فکنت عدیاً کلھا من اسارھا۔ فاوضل وشفعنی بقیس بن جحدر۔ پس کیا بلحاظ عرف اور استعمال لغت کے اور کیا بلحاظ امر واقعہ کے آپ اپنی حین حیات میں شفاعت کا حق ادا کرتے رہے۔ اور چونکہ آپ کی رُوح زندہ ہے۔ اس لئے آپ کی روح سے ایسی شفاعت کی استدعا اب بھی ہوسکتی ہے۔ اور آپ ہر وقت ایسی شفاعت فرما سکتے ہیں۔ صل اللہ علیہ وسلم۔

سنن ابو داؤد میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کیا انا نستشفع بک علی اللہ تعالیٰ نستشفع باللہ تعالیٰ علیک یعنی میں اللہ کے پاس آپ سے استشفاع کرتا ہوں۔ اور آپ کے پاس اللہ کے ساتھ استشفاع کرتا ہوں۔ اس پر آپ چلائے اور فرمانے لگے کہ تجھ پر افسوس ہے۔ تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی مخلوق کے سامنے استشفاع نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے[۱] لیکن آپ نے اس کو نستشفع بک علی اللہ تعالیٰ کے کہنے سے نہ روکا جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ سے قیامت کے پہلے بھی استشفاع ہوسکتا ہے اور کہ آپ کا استشفاع ہر حال میں قیامت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ صحیح مسلم میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کوئی میت ایسی نہیں جس پر مسلمانوں کی ایک جماعت جو سو تک پہنچے نمازِ جنازہ پڑھے اور اس کی شفاعت کرے۔ مگر اس کی شفاعت قبول[۲] نہ ہو۔ یہاں بھی الفاظ یستفعون تشفعوا استعمال کیا گیا ہے۔ عربی کی عبارت یہ ہے :۔ ما من میت تصلی علیہ امۃ من المسلمین یبلغون مائۃ کلھم یشفعون الا شفعوا۔ مسلم کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔

---

[۱] مشکوٰۃ باب بدا الخلق و ذکر الانبیاء علیھم الصلوٰۃ۔ [۲] مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ۔

مامن رجلٍ مسلمٍ یموت فیقوم علیٰ جنازتہ اربعون رجلاً لایشرکون باللہِ شیئاً شفعھم اللہ فیہ یعنی جوکوئی مسلم فوت ہو اس پر چالیس آدمی جو اللہ تعالیٰ سے کسی قسم کا شرک نہ کرتے ہوں جنازہ پڑھیں تو ان کی شفاعت اس کے بارے میں قبول کی جاتی ہے[1] ان حالات میں ظاہر ہے کہ شفاعت و تشفع و استشفاع کا مضمون صرف قیامت سے ساتھ والبتہ نہیں بلکہ ان کا استعمال اس دن سے پہلے بھی ہوتا ہے۔

اس مسئلے کی نسبت مختصر طور ذیل کی باتیں قابلِ لحاظ ہیں

اوّل:۔ کیا فوت شدہ نبی یا ولی کو پکارا جا سکتا ہے۔

دوئم:۔ کیا فوت شدہ نبی یا ولی کو اس پکار کا ادراک ہوتا ہے۔

سوئم:۔ کیا فوت شدہ نبی یا ولی سے مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ اور کیا ان میں مدد کی قوت موجود ہوتی ہے۔

چہارم:۔ فوت شدہ نبی یا ولی کسی کی مدد کس طرح کرتا ہے۔

اب ہر ایک امر کو لیتا ہوں۔

اوّل:۔ پکارا جاسکتا ہے۔ دیکھو باب سوئم۔ فقرات ۱۲ تا ۱۵۔

دوئم:۔ یہ اصول کی بات ہے۔ کہ جس مومن کی باطنی آنکھ کھُل جاتی ہے۔ اس کے باطنی کان اور دیگر جوارح باطنی بھی کھُل جاتے ہیں۔ اگر وہ لاکھوں کوس سے اشیاء کا ملاحظہ کر سکتا ہے۔ تو وہ دُور سے آواز بھی سُن سکتا ہے۔ انسان کے باطنی کان آنکھ اور دیگر جوارح اس وقت کھلتے ہیں جبکہ حق تعالیٰ کامل مومن کا ہاتھ۔ پاؤں۔ کان آنکھ اور دل زبان ہوجاتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور مسند احمد کی روایت میں ہے دیکھو مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل و منتخب جلد اوّل ص ۱۱۲ و ۱۱۳۔ مسند احمد۔ ترمذی اور

[1] مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ

ابن ماجہ میں ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں وہ دیکھتا ہوں۔ جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ سُنتا ہوں۔ جو تم نہیں سُن سکتے۔ آسمان سے کچھ آواز آرہی ہے اور آواز آنا چاہئے۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ آسمان میں چار انگلیوں کے برابر بھی کوئی مقام نہیں جہاں کہ کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو۔ واللہ جو کچھ میں جانتا ہوں۔ اگر تم جانتے ہوتے تو تم تھوڑے ہنستے اور بہت روتے اور تم بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرتے۔ بلکہ تم پہاڑیوں پر چڑھ جاتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجُوع کرتے۔ ابوذر بولے کاش میں کٹا ہوا درخت ہوتا۔ دیکھو مشکوٰۃ باب البکاء والخوف۔ آسمان پر سے آواز کا سُننا باطنی کان کے کھلنے کی دلیل ہے۔ گویا رسول اللہ صلعم اس خفیف سی خفیف آواز کو بھی سُن سکتے تھے۔ جو زمین سے لاکھوں کروڑوں کوس دُور آسمان پر نکلتی تھی۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ آپ کی باطنی قوتِ سمع کس قدر ترقی پا چکی تھی۔ وحی کی آواز بھی جو اوروں کو محسوس تک نہ ہوتی تھی آپ سُنتے تھے۔ یہ سُننا بھی باطنی کان سے تھا۔ وفات پائے پیچھے بھی اب جو درود وسلام لاکھوں کوس دُور سے آپ پر بھیجی جاتی ہے وہ بھی ملکوتی نظام کے ذریعے آپ کو پہنچتا ہے گویا اس وقت بھی ایک ایسا نظام قائم ہے۔ جس کی وجہ سے دُور دراز اطراف سے بھیجی ہوئی دعا وسلام آپ کو فوراً پہنچ جاتی ہے۔ اور آپ اپنی قبر پر دل سے کہی ہوئی درود وسلام کو بھی معلوم کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیثوں میں ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبیؐ و جواب (۲) بالا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ میں محبت کی خوشبو یمن سے پاتا ہوں۔ دیکھو مشکوٰۃ باب ذکر شام و یمن۔ محبت کی خوشبُو اس قدر دُور دراز فاصلے سے پا لینا باطنی قوتِ شامہ کے بل پر ہے۔ کیونکہ آپ کے تمام قوٰے باطنی کمالِ ارتقا کو پہنچ چکے تھے۔ اعمیٰ والی حدیث مشہور ہے۔ اس حدیث کے رُو سے اب بھی آپ کو خطاب کیا جاتا ہے۔ اور وہ دُعا

اب بھی مشروع ہے۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد بھی اس دعا کا استعمال کیا گیا۔ جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس دُعا میں آپ کو نبی الرحمت کہہ کر پکارا گیا ہے۔ آپ کو نماز میں بھی ہر ایک نمازی السلام علیک ایُّھا النّبیّ ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہہ کر پکارتا ہے۔ اور یہ پکار اور یہ خطاب آپ تک روحانی نظام کے ذریعے پہنچتی ہے اور وہ روحانی نظام ملائکہ کا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نماز کا یہ خطاب اور پکار عبث نہیں۔ بلکہ بہت پُرمعنی ہے۔ اور وہ معنی یہ ہے کہ آپ اس پکار کو کسی نہ کسی طرح سُن پاتے ہیں۔ اور وہ سُننا بروئے حدیث ابوداؤد فرشتوں کے ذریعے ہے۔ فرشتے انسان کے اعمال کو دیکھنے سُننے اور جہاں کہیں بھی ہو معلوم کر لیتے ہیں۔ کیونکہ انسانوں کے اعمال کی نگرانی ان کے منصب میں داخل ہے۔ وہ ہر ایک انسان کی زبان سے کہی ہوئی۔ دل سے کہی ہوئی بات اور کسی عضو سے کئے ہوئے عمل کو جانتے سُنتے اور دیکھتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی مومن خاتم النبیین کو پکارتا ہے تو اس کا یہ پکارنا بھی عمل میں داخل ہے۔ اور ایسا عمل فرشتے معلوم کر لیتے ہیں اور چونکہ اس خطاب اور اس پکار کا تعلق رسول سے ہوتا ہے جیسا کہ دعا و سلام کا تعلق آپ سے ہوتا ہے اس لئے وہ آپ تک پہنچایا جاتا ہے۔ بالخصوص اس صورت میں جب کہ اس پکار کے ساتھ آپ کو درود سلام بھی بھیجا جائے پس نتیجہ یہ ہے کہ یہ خطاب یہ پکار یا تو آپ اپنی باطنی قوت سے معلوم کر لیتے ہیں، یا فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ قریباً قریباً یہی حال کامل مومنوں کا ہے۔

سوئم۔ ہاں مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ مفصل ذکر باب اول فقرات ۱ تا ۱۵ و ۱۹ تا ۲۱ و ۳۳ تا ۳۹ باب سوئم فقرات ۸ تا ۱۱ و ۱۶ تا ۲۱ و باب سوئم فقرات ۷ و ۱۲ میں کیا گیا ہے۔

چہارم۔ نبی یا ولی کی مدد دعا کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ اگرچہ ناعلم حقیقی حق تعالےٰ ہی

ہے۔ مگر ان کی دُعا کامیابی کا سبب بنتی ہے۔

۵۔ ہم نے اُوپر ثابت کر دیا ہے کہ نبی صلعم کی قبر پر جا کر اپنے لئے دُعا کرنا ممنوع نہیں۔ دیکھو جوابات ۲ تا ۴۔ اب رہی یہ بات کہ کسی امام نے یا کسی صحابی نے ایسا کہا یا کیا۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ کہ ایسے تفصیلی حالات قلم بند ہو کر ہم تک نہیں پہنچے۔ دعا ایک قلبی کیفیت ہے۔ اس کا اعلان فرداً فرداً ممکن نہیں۔ صحابہ کا رسول اللہ صلعم کی قبر پر جانا اور وہاں درود وسلام کہنا اور دعا مانگنا کسی کسی صحابی سے پہنچا ہے۔ مگر تمام صحابہ کا عمل ہم تک نہیں پہنچا۔ اس لئے جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قبر نبوی کی زیارت ممنوع نہیں۔ تو اب اگر ہم کو فرداً فرداً صحابہ کا عمل اس بارے میں نہ بھی پہنچے جب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ زیارت جائز ہے۔ یہی صورت دعا کی ہے۔ درود ایک دُعا ہے۔ رسول اللہ صلعم اس دُعا کا جواب دعا سے دیتے ہیں[1]۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی رُوح وفات کے بعد بھی دعا کر سکتی ہے۔ اور جب دعا کرنا آپ کی رُوح کے لئے ثابت ہے تو پھر دعا کی استدعا بھی آپ کی رُوح سے ہو سکتی ہے۔ مگر چونکہ دُعا قلبی حالت سے تعلق رکھتی ہے اس لئے اس کے متعلق صحابہ کا عمل قلم بند ہو کر ہم تک نہ پہنچ سکا۔ ممکن ہے کہ صحابہ نے فرداً فرداً جا کر قبرِ نبوی پہ ایسی دعائیں کی ہوں۔ جن کا حال ہم تک نہیں پہنچا جیسا کہ اور باتوں کی نسبت بھی ہم کو ان کے عمل ذاتی سے کچھ نہیں پہنچا[2] اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ صحابہ نے ان باتوں کا اعلان مصلحتاً نہیں کیا تاکہ کہیں دعا کے اثر نہ ہو جائے اور عامۃ الناس قبرِ نبوی کی پرستش شروع نہ کر دیں کیونکہ وہ اسلام کے ظہور کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اور اس وقت ایسی احتیاط کرنا نہایت ضروری تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک بار مدینہ میں قحط پڑا اور اس قحط کے ازالہ کے لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے فرمایا کہ قبرِ نبوی کی سقف میں سوراخ کر دو تاکہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل

---

[1] دیکھو کتب احادیث باب الصلوٰۃ علی النبیؐ۔ [2] دیکھو جواب (۲)

حائل نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تو بارش ہوئی[1]۔ اس سے ظاہر ہے کہ استسقا کے لئے توسل قبر نبوی اور اہلِ قبر کا لیا گیا۔ اور یہ ہر طرح ممکن ہے کہ صحابہ نے وہاں قبر پہ جاکر دُعا کے لئے عرض بھی کی ہو۔ جیسا کہ آپ کی زندگی میں استسقا کی دُعا کی عرض ہوتی رہی۔ اور ایسی عرض نبی صلعم سے ہر وقت بعد وفات ہو سکتی ہے۔ جیسا اس کی نسبت مفصل بحث اعتقادات ۲۔۳۔۴ و ۶ میں کی گئی ہے اعتقاد (۸) بھی ملاحظہ ہو۔ اور ابواب دوئم و سوئم بھی۔

۶۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ قبروں کو مسجد بنانا سخت ممنوع ہے۔ تحریم کی علت جو شیخ ابن تیمیہ نے وضع کی ہے نادرست ہے۔ اور وہ یہ کہ قبروں کو مسجد بنانا اس لئے حرام ہے کہ مبادا لوگ صاحبِ قبر سے عقیدت رکھ کر اس سے دعا مانگنے یا قبر کو متبرک سمجھ کر اس کے پاس اللہ سے دعا مانگنے کو افضل مان کر آنا جانا شروع کر دیں۔ یہ توجیہہ۔ یہ تعلیل شارع علیہ السلام نے کہیں بھی بیان نہیں کی۔ قبر کو مسجد بنانے کی تحریم اس لئے وارد ہوئی ہے کہ لوگ صاحبِ قبر کو ہی خدا کے برابر نہ سمجھنے لگیں اور خود اس کی اور اسکی قبر کی پرستش شروع نہ کر دیں۔ جیسا کہ پہلی اُمتوں میں ہوا۔ نہ اس لئے کہ وہاں جاکر دعا مانگنا حرام ہے۔ پس ہمارے لئے صرف یہ حکم ہے کہ ہم قبر کو معبد، مسجد یا عید نہ بنائیں۔ قبروں کی زیارت ہمارے لئے جائز ہے اور وہاں جاکر دعا کرنا اپنے لئے کیا اور صاحبِ قبر کے لئے کیا دونوں جائز ہیں[2]۔

رسول اللہ صلعم کی قبر واقعی مقدس و متبرک ہے۔ وہ شخص اسلام سے بہت دُور ہوگا جو یہ کہے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر متبرک و مقدس نہیں کیونکہ وہ شانِ رسالت کا منکر ہوگا۔ قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ لاخلاف ان موضع قبرہ افضل بقاع الارض[3] یعنی کہ رسول اللہ صلعم کی قبر کی جگہ دنیا کے تمام مقامات سے افضل ہے۔

[1] مشکوٰۃ باب کرامات۔ بروایت دارمی [2] دیکھو باب دوئم و باب سوئم [3] شفا۔ جلد ۲ ص ۷۵۔

ایک مشہور حدیث ہے۔ مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ[1] یعنی میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان جو کچھ ہے۔ وہ جنتوں کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے. پس اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آپ کی قبر جو آپ کے گھر میں واقع ہے۔ مقدس و متبرک ہے. مفصل بحث باب سوئم میں ملاحظہ فرمایئے۔ مجمع البحار میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہود اور نصاریٰ کو لعنت کی ہے۔ کیونکہ انھوں نے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنایا۔ اور ان کو قبلہ سمجھ کر ان کی طرف نماز میں سجدہ کیا. جیسا کہ بت کی طرف سجدہ کرنے والے کرتے ہیں۔ لیکن جس شخص نے کسی نیک بندے کی ہمسائگی میں مسجد بنائی یا مقبرہ میں نماز پڑھی اس ارادہ سے کہ وہ اس کی رُوح سے استمداد حاصل کرے یا اس کو اس کی عبادت کا اثر پہنچے۔ لیکن ارادہ اس کی طرف منہ کرنے کا یا تعظیم کا نہ ہو۔ تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیا یہ معلوم نہیں کہ اسمٰعیل کا مرقد مسجد حرام میں قبہ کے اندر ہے۔ اور اس میں نماز ادا کرنی افضل ہے[2]۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یہی قوم (مراد اہل حبشہ) وہ ہے کہ جب کوئی نیک بندہ ان میں سے مرتا ہے تو یہ لوگ اس کی قبر کے اُوپر مسجد بنا لیتے ہیں۔ اور اس میں تصویریں منقش کرتے رہیں۔ یہ لوگ اللہ کے یہاں بد ترین خلائق ہیں[3]!

امام ابنِ حجر عسقلانی کی رائے فتح الباری میں درج ہے۔ وہ بیضاوی کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔ کہ "چونکہ یہود اور نصاریٰ نبیوں کی قبروں کی طرف ان کی شان کی تعظیم کی وجہ سے

---

[1] مشکوٰۃ باب المساجد بخاری ومسلم. [2] لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذو قبور انبیاء مساجد کانو یجعلونھا قبلۃ یسجدون الیھا فی الصلوٰۃ کالوثن واما من اتخذ مسجداً فی جوار صالح او صلی فی مقبرۃ قاصداً بہ الاستظہار بروحہ او وصول اثر من آثار عبادتہ الیہ لا التوجہ نحوہ والتعظیم لہ فلا حرج فیہ. الا یری ان مرقد اسمٰعیل فی الحجر فی المسجد الحرام والصلوٰۃ فیہ افضل. لط قبر۔ جلد ثانی ص ۱۰۴. [3] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی البیعۃ. جلد اول ص ۶۲

سجدہ کرتے تھے۔ اور ان کو قبلہ بنا کر ان کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ اور ان کو معبود بناتے تھے۔ اس لئے ان پر لعنت کی گئی۔ اور مسلمانوں کو اس سے منع کیا گیا۔ لیکن اگر کوئی کسی نیک بندے کے جوار میں مسجد بنائے اور اس سے نزدیکی کی بنا پر تبرک کا ارادہ کرے۔ لیکن اس کی طرف تعظیم بجا لانے یا منہ کرنے کا ارادہ نہ ہو تو ایسا کرنے میں کوئی وعید نہیں[1]۔ امام نوری لکھتے ہیں کہ" علماء کا یہ قول ہے کہ نبی صلعم نے اپنی قبر اور کسی غیر کی قبر کو مسجد بنانے سے اس خوف سے روکا ہے کہ ان کی تعظیم میں مبالغہ نہ ہو۔ اور لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ کیونکہ بسا اوقات یہ بات کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسا کہ اگلی امتوں کے ساتھ ہوا۔ اور جب صحابہؓ و تابعین کو مسجدِ نبوی کے وسیع کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ کیونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ اور جب یہ توسیع یہاں تک ہوئی کہ اُمہاتِ مومنین کے حجرے بھی اس میں داخل ہو گئے اور حضرت عائشہ کا حجرہ بھی جہاں نبی صلعم اور صاحبین مدفون ہیں۔ تو انہوں نے قبر کے اُوپر اور اُس کے گرد ایک اُونچی اور گول عمارت بنا دی تاکہ قبر مسجد کے اندر معلوم نہ ہو۔ اور عوام اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھیں اور امر ممنوع کے مرتکب نہ ہوں۔ پھر انہوں نے قبر کے شمالی اطراف میں دو دیواریں بنائیں اور ان کو اس میں ملا دیا۔ تاکہ قبر کی طرف منہ کرنا ممکن نہ ہو۔ اور اسی لئے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر کھلی رہتی۔ لیکن بات یہ ہے کہ یہ اندیشہ ہوا کہ اسے مسجد نہ بنا لیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب[2]۔

جو کچھ اُوپر مذکور ہوا اُس سے ذیل کی باتیں ثابت ہوتی ہیں:۔

اوّل:۔ قبر کو مسجد نہ بنایا جائے۔ اور اس کے اوپر سجدہ نہ کیا جائے۔

دوئم:۔ قبر کو قبلہ سمجھ کر اس کی طرف سجدہ نہ کیا جائے

[1] فتح الباری جلد اوّل ص ۳۵۴۔ یہ رائے بیضاوی کی ہے [2] شرح مسلم از امام نوری جلد اول۔ ۲۰۱۔ باب النہی عن بناء المسجد علی القبور الخ

سوئم - قبر کے عین پہلو میں بھی نماز نہ پڑھی جائے - جیسا کہ علامہ ابنِ حجر عسقلانی کی رائے ہے - کہ مقبروں میں نماز مکروہ ہے - خواہ نماز قبر کے عین پہلو میں پڑھی جائے یا اس کے اوپر یا کسی طرف۔[1]

چہارم - کسی نبی یا نیک بندے کی قبر کی ہمسائیگی میں مسجد بنانا جائز ہے - اس خیال سے کہ اس کی نزدیکی کی وجہ سے اس کی رُوح سے استظہار کی جائے - بشرطیکہ اس قبر کی طرف توجہ سجدہ کے وقت نہ ہو - اور نہ اس کی طرف تعظیم بجا لانا حدِ جوازیت سے نکل جائے اور اس قبر کو معبد بنا لیا جائے۔

پنجم - قبر کے جوار میں نماز پڑھنی جائز ہے - جیسا کہ حضرت اسمٰعیل کی قبر حجر کے اندر ہے اور وہاں نماز پڑھنا افضل ہے۔

ششم :- نبیوں - نیک بندوں اور ان کی قبروں کی مناسب تعظیم جائز ہے - بشرطیکہ وہ تعظیم حدِ شریعت سے باہر نہ نکل جائے - یعنی کہ قبروں کی ایسی تعظیم نہ ہو - کہ اُن کی طرف یا اُن کے اُوپر نماز پڑھی جائے - اور اُن کو معبد سمجھ لیا جائے اور نبیوں اور نیک بندوں کی پرستش شروع کر دی جائے۔

ہفتم :- قبر کو مسجد بنانے کی نہی اس لئے وارد ہوئی ہے کہ لوگ اس کی طرف منہ کر کے عبادت شروع نہ کر دیں اور اُسے معبد نہ بنا لیں - یا اس کی تعظیم حدِ شریعت سے نہ بڑھ جائے۔

ان حالات میں اہلِ قبر سے عقیدت رکھنا اور اس کی دُعا سے توسل کرنا جائز ہے - اور یہ بھی جائز ہے کہ قبر کو حدِ شریعت کے اندر متبرک سمجھ کر وہاں دعا کی جائے - جیسا کہ ابواب دوئم و سوئم میں بیان کیا جا چکا ہے - اور اُوپر کے اعتقادات میں بھی ظاہر کیا گیا ہے - قبور پر آمد و رفت بھی جائز ہے - بشرطیکہ قبر معبد نہ بن جائے۔ میں

[1] فتح الباری جلد اول ص ۴۵۲ -

جو تعلیل قبروں کو مسجد بنانے کی نہی کے متعلق شیخ ابنِ تیمیہ نے بیان کی ہے۔
وہ بالکل غلط ہے۔

۷۔ یہ درست ہے۔

۸۔ امام جلال الدین سیوطی نے ایک باب اپنی کتاب شرح الصدور میں باندھا ہے۔ وہ یہ ہے۔ عرض اعمال الاحیاء علی الاموات۔ مسند احمد میں ہے کہ تمہارے عمل تمہارے فوت شدہ رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر وہ اعمال اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر اچھے نہ ہوں۔ تو وہ کہتے ہیں۔ کہ اے اللہ تو ان کا خاتمہ نہ کر جبتک کہ تو اُن کو ہدایت نہ کرلے۔ جیسا کہ تو نے ہم کو ہدایت کی۔ مسند ابو داؤد طیالسی میں بھی اس قسم کی حدیث موجود ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ اللھم الھمھم ان یعملوا بطاعتک۔ گویا مُردوں کی رُوحیں زندوں کے لئے دعائیں مانگتی ہیں۔ اور جب روحوں سے دُعا کا صادر ہونا ثابت ہوگیا۔ تو پھر اُن سے دُعا کی استدعا کرنے میں کونسی قباحت ہے۔ اگر قبر کے پاس جاکر کوئی دُعا بشکلِ سلام کرتا ہے تو اہلِ قبر اس دُعا کا جواب دیتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی وہاں جاکر کسی اور قسم کی دعا کرے گا تو وہ بھی اہل قبر سُن پائے گا۔ طبرانی اوسط میں ابنِ عمر سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلعم اُحد سے لوٹتے ہوئے مصعب بن عمیر کی قبر سے گذرے۔ اور آپ اُن کی قبر پر اور اپنے دیگر اصحاب کی قبروں پر ٹھہرے۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تم اللہ کے یہاں زندہ ہو۔ سو تم ان کی زیارت کرو اور اُن کو سلام کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ تم سے کوئی ان کو سلام نہیں کہتا۔ مگر یہ کہ وہ جواب دیتے ہیں یوم قیامت تک[۱]۔ اسی طرح کی ہدایت مستدرک حاکم اور شعب الایمان بیہقی کی ہے۔ ابن ابی الدنیا ابن عبداللہ اور عقیلی کی

---

[۱] شرح الصدور باب زیارت القبور۔

بھی اس طرح کی روایت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے حجرے میں داخل ہوا کرتی تھیں اور کپڑا سر پہ نہ ہوتا تھا۔ یہ اس وقت تک تھا جب تک کہ حضرت عمر دفن نہ ہوئے تھے۔ اور جب حضرت عمر وہاں مدفون ہوئے تو ان سے حیا کی وجہ سے سر پر کپڑا رکھ کر اندر جاتیں۔

قبر کی بزرگی کی وجہ سے دُعا قبول نہیں ہوتی اگر قبول ہوتی ہے تو صاحب قبر کی بزرگی کی وجہ سے جسکی عزت و حُرمت اللہ کے یہاں مسلّم ہوتی ہے۔ قبر بجائے خود کوئی چیز نہیں۔ جو چیز قابلِ اعتقاد ہے وہ اہل قبر کی رُوح مقدس و مطہر ہے۔ جس سے دُعا کی استدعا ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس رُوح کا اس جسمِ مطہر سے جس میں رہ کر اس نے کمالات حاصل کیے ہوں حشر تک ایک ایسا تعلق رہتا ہے جو ادراکِ عامہ سے بالاتر ہے۔ ان کی نسبت مفصل بحث گذشتہ ابواب میں کی گئی ہے۔ نذر و منّت کے متعلق اعتقاد (۳) میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اہل قبر کی بزرگی کی وجہ سے قبر بھی متبرک و مقدس بن جاتی ہے۔ شرف المکان بالمکین چنانچہ جناب رسول اللہ صلعم کی قبر کی بزرگی کی وجہ سے جس کا توسل صحابہ نے کیا تھا بارش ہوئی اور قحط دُور ہوا جس کا ذکر اُوپر کے اعتقاد میں آچکا ہے۔ جیسا کہ دارمی کی روایت میں ہے۔ ان تمام امور کے نسبت پہلے بھی مفصل بحث ہو چکی ہے[۱]۔

۹۔ اس اعتقاد کا تجزیہ ذیل کے ضمنوں میں کیا جا سکتا ہے۔

اوّل:۔ کیا دنیا میں خدا کا دیکھنا ممکن ہے۔

دوئم:۔ کیا نبی صلعم یا خضر علیہ السلام یا کسی اور بزرگ کا دیکھنا ممکن ہے۔

سوئم:۔ کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔

چہارم:۔ کیا ایک شخص ایک وقت میں دو جگہوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

---

[۱] دیکھو اعتقاداتِ گذشتہ (ابواب دوئم و سوئم)۔

پنجم :۔کیا فرشتے کا دیکھنا اب بھی ممکن ہے۔
ششم :۔کیا جن یا شیاطین لوگوں کو دُور دراز مقامات پر اُڑا لے جاتے ہیں۔اور کیا یہ
طاقت صرف جنّوں کو حاصل ہے۔

اب ہم ہر ایک امر کو علی الترتیب لیتے ہیں۔
امر اول ۔اللہ کا دُنیا میں دیکھنا باطنی آنکھ کے ذریعہ ممکن ہے۔اور ایسا دیکھنا تجلّی ذاتی
کہلاتا ہے۔ لا یدرکہ الابصارُ ولا تدرکہ الابصار وھو اللطیف الخبیر۔ مومنین روزِ حشر
کو خدا کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح کہ آج ہم بدرِ کامل کو دیکھتے ہیں۔
دوئم و سوئم ۔حضرت خضر کی نسبت شیخ ابنِ تیمیہ کا خیال ہے کہ وہ مر چکے ہیں اور جو
حضرت خضر لوگوں کو ملتے ہیں۔ وہ اصل میں شریر جِنّ ہے۔(ص - ۱۲۰) یہ خیال اُن کا محض
غلط ہے۔حضرت خضر ہُود علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔شجرہ اس طرح پر ہے۔
ہُود علیہ السلام ــــ سفیطی۔ ملکان ۔۔خضر علیہ السلام۔حضرت موسیٰ علیہ السلام
حضرت یعقوب کی اولاد سے ہیں اور حضرت خضر سے صدہا سال پیچھے آئے۔حضرت
موسیٰ اور حضرت خضر کی ملاقات کتب احادیث میں موجود ہے۔دیکھو صحیح بخاری۔
بابِ حدیث خضر معہ موسیٰ علیہ السلام[۵۱] یہ قصہ ملاقات کا قرآن میں بھی موجود ہے بعض
لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ موسیٰ بنی اسرائیل کے پیغمبر نہ تھے۔ بلکہ کوئی اور تھے ــ یہ خیال
بھی بالکل غلط ہے۔سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابنِ عباس سے کہا کہ نوف
بکالی کہتا ہے کہ وہ موسیٰ جن کی خضر سے ملاقات ہوئی تھی بنی اسرائیل کے موسیٰ
نہ تھے۔حضرت ابنِ عباس بولے کہ وہ خدا کا دشمن جھوٹ بولتا ہے تفصیل اس گفتگو
کی حُر ابنِ قیس قراری کے تذکرہ میں موجود ہے[۵۲] ۔صحیح بخاری کے بابِ مذکورہ بالا سے بھی

---

[۵۱] صحیح بخاری کتاب الانبیاء۔ص ۱۸۴ تا ۴۸۳۔

[۵۲] اسد الغابہ۔تذکرہ حُر ابن قیس قراری۔

یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ موسےٰ وہی مرسل پیغمبر تھے۔ جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے اور جنہوں نے فرعون کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ حضرت موسےٰؑ کے وقت تک تو حضرت خضر زندہ تھے۔ گویا یہ قانونِ قدرت کے مطابق ہے کہ کسی شخص کو اس قسم کی غیر معمولی زندگی حاصل ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ خضر علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہے کہ نہیں حصن حصین میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم کی وفات پر ایک شخص آئے اور روئے۔ اور حاضرین کو اس مصیبت کے متعلق نصیحت کر کے چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت ابُوبکرؓ اور عمرؓ نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے۔ روایت مستدرک حاکم۔ دیکھو حصن حصین ص ۹۳[1]۔ نظامی گنجوی نے سکندرنامے میں لکھا ہے کہ اُن کو حضرتِ خضر ملے اور اُن سے وہ فیضیاب ہوئے۔ صوفیوں میں سے سلطان ابراہیم ادہم حکیم ترمذی شیخ عبدالقادر جیلانی اور بہت سے دیگر ولیوں کا حضرتِ خضر سے ملنا کتب سوانح میں مذکور ہے تفصیل کے لئے دیکھو تذکرۃ الاولیا اور نفحات الانس جامی ہم ان تذکرہ نویسوں پر اور ان کے ان مصالح پر جن کی بنا پر انہوں نے یہ حالات لکھے ہیں بلا وجہ اعتبار نہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اب تک زندہ ہیں۔ اور وہ بندگان خدا بالخصوص مجددوں۔ ابدالوں۔ اخیاروں اوتادوں سے ملتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم کا خواب میں دیکھنا جائز ہے۔ حضرت خضر کا ظاہر میں دیکھنا خاص خاص لوگوں کے لئے ممکن ہے۔ رسول اللہ صلعم کے ظاہر میں دیکھنے کے متعلق ہم کسی اور کتاب میں بحث کریں گے۔

چہارم:۔ یہ مسئلہ مذہب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے شیخ ابن تیمیہ جیسے علماء ظواہر سے ایسے مسئلے کا کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہم ایسے مسئلے کی نسبت یہاں بحث کرنا مناسب

---

[1] اس کے علاوہ دیکھو روایت شعب الایمان بیہقی۔ مشکوٰۃ ص ۵۴۸۔

خیال کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اس علم کا ایک شعبہ ہے۔ جس کے متعلق ابوہریرہ نے کہا تھا۔ کہ اگر میں ظاہر کروں تو میری گردن پر چھری چل جائے۔[1]

پنجم۔ حضرت مریم نے فرشتہ دیکھا۔ نبیوں کے پاس ملائکہ آتے رہے۔ حضرت مریم صدیقہ تھیں۔ اس لئے صدیق اب بھی فرشتے دیکھتے ہیں۔

ششم۔ ایسا ہوسکتا کہ جن کسی کو اُٹھا کر لے جائے۔ اس قسم کا ایک واقعہ اسد الغابہ میں مذکور ہے۔ ازاد مرد نے بیان کیا کہ ان کی بی بی کو ایک جن آسمان کی طرف اُڑا لے گیا۔ تاکہ وہ وہاں کی باتیں چھپ کے سنے۔ چنانچہ جب وہ آسمانِ دنیا پر پہنچے تو ایک آواز وہاں سے سُنی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ ما شاء اللّٰہ کان وما لم یشاء لم یکن۔ پس یہ دونوں گر پڑے۔ پھر وہ جن اس کو اس کے گھر پہنچا آیا۔ اس کے بعد وہ جن پھر جب ان کی بی بی کے پاس آیا تو اُنہوں نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ پس وہ جن جلنے لگا۔ یہاں تک کہ خاک ہوگیا۔[2] اگر یہ طاقت جنّوں کو حاصل ہے تو پھر صدیقوں نبیوں کو بطریقِ اولیٰ حاصل ہونا چاہئے۔ حضرت آصف نے ملکۂ صباء کا تخت چشم زدن میں لاکر سامنے رکھ دیا۔ مگر جن اس قدر جلدی نہ لاسکا۔ اگر ایک صدیق میں اس طرح تخت کے اُٹھالانے کی طاقت موجود ہوسکتی ہے تو پھر اس کو یہ طاقت قدرتی طور حاصل ہونا چاہئے کہ وہ کسی اور شئے کو بھی جس میں انسان بھی شامل ہے اُٹھا کر کہیں کا کہیں پہنچادے اور خود بھی جہاں چاہے چشم زدن میں پہنچ جائے۔ یہ طاقت طے مکان کی نبیوں اور صدیقوں کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ طاقت رسول اللہ صلعم کو حاصل تھی۔ سلفِ صالحین اور جمہور مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ آپ نے معراج جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں کیا اور یہی درست بھی ہے۔ اور یہی حضرات

---

[1] مشکوٰۃ کتاب العلم روایت بخاری۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ آزاد مرد

ابنِ عباس۔ جابر۔ انس۔ خدیفہ۔ عمر۔ ابوہریرہ۔ مالک بن صعصعہ۔ ابوجبنۃ۔ البدری ابن مسعود۔ ضحاک۔ سعید بن جبیر۔ قتادہ۔ ابن المسیّب۔ ابن شہاب۔ ابنِ زیدالحسن۔ ابراہیم۔ مسروق۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ ابن جریج۔ طبری۔ ابن حنبل وغیرہ کا مذہب ہے[۱]
ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر جسم کے ساتھ بیداری میں اور مسجد اقصیٰ سے آسمان تک کا سفر رُوح کے ساتھ کیا گیا۔ بہر حال جمہور مسلمین اور کبار آئمہ کی رائے میں بالاتفاق یہ سفر کم از کم جزواً جسم کے ساتھ اور بیداری کی حالت میں تھا اور یہی دوسرے لفظوں میں طے مکان ہے۔ کامل مومن کی نعش کو بھی ایک طرح کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ عامر ابنِ فہیرہ مشہور صحابی تھے۔ غزوہ بدر و اُحد میں شریک تھے۔ بیر معونہ کے دن ۴ھ میں شہید ہوئے۔ ان کی نعش تلاش کرنے سے بھی کسی کو نہ ملی۔ سب نے یہی خیال کیا کہ ان کی نعش فرشتے اُٹھا لے گئے۔ جب عامر بن طفیل بیر معونہ سے واپس آئے تو انھوں نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ وہ کون شخص تھے کہ میں نے دیکھا کہ جب شہید ہوئے۔ تو اوپر اُٹھا لئے گئے۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آسمان بھی ان کے نیچے رہ گیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ وہ عامر بن فہیرہ تھے[۲]۔ میّت کا ظاہراً طور کلام کرنا بھی ایک تذکرہ میں آیا ہے۔ جب خارجہ بن زید فوت ہوئے تو لوگوں نے ان کو کفن پہنایا۔ اور راوی نماز پڑھنے لگا۔ تو یکایک اس نے کچھ آواز سُنی۔ راوی نے پھر کر دیکھا تو خارجہ حرکت کر رہے تھے۔ کہ سب لوگوں میں زیادہ سخت اور سب سے زیادہ عنداللہ مقبول امیرالمومنین عمرؓ ہیں۔ جو اپنے جسم میں بھی قوی ہیں۔ اور خدا کے کام میں بھی قوی ہیں۔ امیرالمومنین عثمان بڑے پرہیزگار ہیں۔ جو لوگوں کی بہت خطاؤں سے درگزر کرتے ہیں۔ دو راتیں گذر گئیں۔ اور چار باقی ہیں۔ لوگ مختلف ہو رہے ہیں۔ ان کا انتظام درست نہیں ہوتا۔ اے لوگو! اپنے

[۱] تفصیل کے لئے دیکھو شفا قاضی عیاض جلد اول باب سوئم ص ۱۱۳ و ۱۱۴ [۲] اسد الغابہ تذکرہ عامر بن فہیرہ

اپنے امام کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور ان کی بات سُنو اور مانو۔ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور یہ ابن رواحہ ہیں۔ اس قدر کہنے کے بعد آواز پست ہو گئی یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے موت کے بعد کلام کی[۵۲] عبداللہ ابن عبیداللہ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس یمامہ میں شہید ہوئے۔ جب ان کو قبر میں داخل کیا گیا۔ تو وہ بول اُٹھے۔ محمد رسول اللہ۔ ابوبکر صدیق۔ عمر شہید عثمان پُر رحم ہیں۔ ہم نے دیکھا تو وہ پھر میت کی میت تھی[۵۲]۔ یہاں یاد رکھنا چاہئے کہ کسی مومن صحابی یا کسی صالح مومن کی نعش میں جن دخل پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کلمہ طیب کا اثر اس کے جسم میں ایسا ہوتا ہے۔ کہ خبیث روحیں اور شیاطین اس سے دُور دُور رہتے ہیں۔ اور وہ کبھی بھی ناپاک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے[۵۳] اس لئے کسی صحابی کی نعش کا حرکت کرنا بابولنا خبیث روحوں کے اثر کے تحت نہیں ہو سکتا۔

شیخ ابن تیمیہ کے ان خیالات سے جو انہوں نے اس اعتقاد میں ظاہر کئے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم باطنی سے نابلد ہیں۔ اور کہ ان کو کشفِ قبور اور کشف ملکوت سے دور کا لگاؤ بھی نہیں۔ ایسے مسائل میں وہی مومن بات کر سکتا ہے۔ جس کا ایمان کشفی اور تحقیقی ہو گیا ہو۔ حالانکہ شیخ موصوف کے ایمان کو اس کشف اور اس تحقیق سے کوئی نسبت نہیں۔ عالم ظاہری ہونا ایک بات ہے اور کامل مومن ہونا دوسری بات ہے

چراغ مردہ کُجا شمع آفتاب کجا۔

۱۰۔ انبیاء و صالحین کی قبروں پہ جا کر ان کو خطاب کرنا اور درود و سلام کہنا جائز ہے البتہ ان کو خدا کے برابر سمجھ کر پکارنا شرک عظیم ہے۔ ماسوٰی اللہ سے استمداد و رجوع کے متعلق دیکھو اعتقادات ۱۲-۱۳-۱۴۔ نبیوں اور ولیوں کو وفات کے بعد پکارنے کے متعلق دیکھو فقرہ ۱ باب سوئم اس کے علاوہ دیکھو جوابات ۲ تا ۹۔

[۵۲] شفاء قاضی عیاض جلد اوّل۔ ص ۱۱۲ فصل۔ احیاء موتی۔ [۵۳] مشکوٰۃ باب ... الجنب ... جواہد المنابہ۔

۱۱- انبیاء اور صالحین کی نسبت شیخ ابنِ تیمیہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اخیار بہ اُمّت کے لئے دُعا کریں گے. مراد اس سے یہ ہے کہ قیامت کے دن دعا کریں گے۔ حالانکہ وہ ہر وقت اور وفات کے بعد بھی دُعا کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ ابواب میں اور اعتقادات (۲)۔(۳)۔(۴)۔(۵)۔(۷)۔(۸) میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس لئے فوت ہوئے نبیوں اور ولیوں سے دُعا کی استدعا ناجائز نہیں۔ ان سے دعا کی استدعا زندگی میں کی جاتی رہی۔ جناب خاتم النبیین سے صحابہ نے دُعا کی استدعائیں کی ہیں۔ وفات کے بعد بھی بنی۔ صدیق اور شہید زندہ رہتے ہیں۔ اور جب ان کے لئے زندگی ثابت ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اُن سے دعا کی استدعا نہ کی جائے۔ ہاں ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ ایسی دُعا کے آداب و شرائط سے واقف ہونا چاہیئے۔ ملائکہ کا پکارنا اور ان سے استدعا استغفار اس لئے غیر ضروری ہے کہ وہ ہم سے افضل نہیں اور نہ ایسی استدعا مشروع ہے۔ انبیاء سے دُعا و شفاعت کی استدعا اس لئے ہو سکتی ہے کہ ایسی استدعا مشروع ہے اور وہ دنیا میں اس لئے مبعوث ہوتے ہیں۔ کہ اپنی زندگی میں اور بعد وفات صلاحیّت والے افراد اُمّت کے لئے دُعائے تزکیہ کریں اور انہیں منزل مقصود تک پہنچائیں۔ اس لئے ملائکہ سے استدعا استغفار پر نبیوں سے استدعا استغفار کا قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ دلیل (۱) خوب منطق ہے۔ یہ خیال نادرست ہے کہ چونکہ ہر ایک کے لئے شقاوت یا سعادت مقدر ہو چکی ہے اس لئے کسی کو بھی سعی اور ذاتی جد و جہد نہ کرنا چاہیئے۔ حالانکہ شرعی اصول یہ ہے۔ کہ گو کہ سب کچھ مقدر ہے مگر ذاتی جد و جہد جاری رہنا چاہیے۔ اس کے متعلق بہت سی حدیثیں اور آیتیں وارد ہو چکی ہیں۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ علامہ صاحب دلیل یہ دیتے ہیں۔ کہ جن کے لئے اللہ تعالیٰ اسے نبیوں کو اجازت دعا و شفاعت کی ہوگی وہ کریں گے اس لئے ان سے درخواست دُعا و شفاعت فضول ہے لیکن ان کے ذہن سے یہ بات اُتر گئی

ہے۔ کہ نبی جس کے لئے حق تعالیٰ سے استدعا کرتے ہیں حق تعالیٰ اکثر اُن کی استدعا قبول کرتا ہے۔ اور یہ نبی ہی کی کوشش کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ راہِ راست پر آجاتے ہیں۔ اور منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔

دلیل (۲) بھی درست نہیں۔ کیونکہ مرے ہوئے نبی صدیق اور شہید زندہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سے استدعا بھی ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ اُوپر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے لے آپ رسول اللہ صلعم کو السلام علیک ایھا النبی کہہ کر دن میں کئی بار پکارتے ہیں اور ایسا پکارنا مشروع ہے۔ ایسا پکارنا بے معنی اور عبث نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ شارع کسی عبث فعل کا ہم کو حکم نہیں دے سکتے۔ اور اگر یہ پکارنا بے معنی ہوتا۔ تو شارع علیہ السلام اس کی جگہ اور مشروع الفاظ لاسکتے تھے۔ اس لئے یہ پکارنا پُر معنی ہے۔ اور وہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلعم اس سلام کو خود یا بوساطت ملائکہ سُن پاتے ہیں۔ پس اس طرح کا پکارنا مشروع ہے۔ فوت شدہ نبیوں اور ولیوں کو پکارنے کے متعلق دیکھو فقرہ ۱۱ باب سوم۔ اور نبیوں اور ولیوں سے استمداد و استعانت کے متعلق دیکھو اعتقادات ۱۲ - ۱۳ و ۱۴۔ یہاں شیخ ابنِ تیمیہ نے متضاد باتیں جمع کردی ہیں۔ ایک طرف کہتے ہیں۔ کہ غیر اللہ سے سوال حرام ہے۔ دوسری کہتے ہیں کہ ضرورت کے لحاظ سے مباح اور توکل کی رُو سے اس کا ترک افضل ہے۔ ایک طرف کہتے ہیں کہ مخلوق سے سوال اصل میں حرام ہے اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ نبی صلعم نے جو اُمت سے دُعا طلب کی ہو وہ سوال نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضرتِ عمرؓ نے نبی صلعم سے عمرہ کی اجازت چاہی۔ نبی صلعم نے اجازت دی اور فرمایا کہ اے بھائی ہمیں اپنی دُعا میں نہ بھولنا[۲]۔ اب ان باتوں میں تطبیق کس طرح ہوسکتی ہے۔ جب سوال مخلوق سے حرام ہے اور بالخصوص کامل نبی کی صورت میں تو یہ بالکل ہی حرام ہونا چاہیے۔

---

[۱] دیکھو اعتقادات وجوابات گذشتہ۔ [۲] ابوداؤد و ترمذی مشکوٰۃ کتاب الدعوات۔

تو پھر نبی صلعم کو کیا ضرورت لاحق ہوئی تھی۔ کہ وہ ایسا سوال مخلوق سے کرتے اور اپنے ہی اُمتی سے دعا کا خیال ظاہر فرماتے۔ خواہ وہ خیال کسی پہلو پر ہی ہو۔ کیونکہ سوال آخر ش سوال ہے۔ اور پھر وہ حضرت عمرؓ جیسے کبار صحابہ کو کبھی حکم نہ دیتے کہ اویس قرنی سے اپنے لئے دُعائے استغفار کرانا[1]۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ موصوف اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ جس طرح سے ہو اپنی بات کی ہی پچ کریں۔ ہم شیخ صاحب کے اقوال کا تجزیہ ضمن ہائے ذیل میں کرتے ہیں۔

(۱) مخلوق سے سوال اصل میں حرام ہے۔

(۲) مخلوق سے سوال کرنے میں غیر اللہ کی طرف احتیاج لازم آتی ہے۔ جو شرک کی قسم سے ہے۔ اور اس سے غیر اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار ہے۔ جو ظلم نفس کی قسم سے ہے۔

(۳) اُمت کو جو خدا کا حکم ہے کہ رسول اللہ صلعم کے لئے دعا کریں اس سے خود اُمت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(۴) نبی صلعم نے اُمت سے جو دُعا طلب کی ہے وہ حکم و ترغیب ہے۔ سوال نہیں۔

(۵) اگر کوئی دعا کا سوال کسی سے کرے اور سوال کرنے والی کی نیت یہ ہو کہ دُعا کرنے والے کی دُعا سے اسے فائدہ پہنچے۔ اور اُسے یہ خیال نہ ہو کہ دعا کرنیوالے کو بھی نفع پہنچے تو ایسا سوال قابلِ اعتراض ہے۔

(۶) میّت سے سوال نہ مشروع ہے نہ واجب نہ مستحب۔

امر (۱) (۲) یہ مسئلہ تشریح طلب ہے۔ پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ غیر اللہ سے استعانت و استمداد ہو سکتی ہے کہ نہیں۔ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرو۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت اویس رضؓ۔

نیکی اور پرہیزگاری ہیں[1]۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اچھے کاموں میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کی اعانت کرنا چاہیے۔ اور جب ایکدوسرے کی اعانت ضروری ہے تو پھر ضروری اعانت کے کاموں میں استعانۃ بھی دائرہ جازیت کے اندر آتی ہے ذوالقرنین کے متعلق قرآن میں ہے۔ اُس نے کہا کہ جس میں میرے پروردگار نے مجھے قدرت دے رکھی ہے بہتر ہے۔ سو تم میری مدد کرو قوت کے ساتھ۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک سد بنا دیتا ہوں[2]۔ ذوالقرنین نے اس آیت کے رُو سے دوسروں سے اعانت طلب کی ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ ہے اور اس کی دوسر لوگوں نے اعانت کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صیح معنی میں استعانت اللہ سے ہوتی ہے اور چونکہ معاشرت و مدنیت کا دارومدار امداد و اعانت باہمی پر ہے۔ اس لیے اعانت باہمی جائز رکھی گئی ہے۔ ورنہ اگر اس طرح کی اعانت جائز نہ رکھی جاتی تو پھر دنیا کا کاروبار نہ چل سکتا تھا۔ وایاک نستعین سے یہ مراد ہے کہ ہم تجھ سے ہی اعانت مانگتے۔ اور کسی دوسرے کو تیرے جیسا سمجھ کر اُس سے اعانت نہیں مانگتے۔ یہاں ترک اعانت سے شرک کی نفی مراد ہے لیکن اگر بلا احتمال شرک اعانت اور استعانت ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ تعاونوا علی البر والتقویٰ کے حکم سے مستفاد ہے۔ شیخ موصوف ایسے سوال کو کس طرح اصل میں حرام قرار دے سکتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے جو پہلا خطبہ خلیفہ ہونے کے بعد دیا اس میں آپ نے صاف طور اپنے دینی بھائیوں سے امور دینی میں اعانت طلب کی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں اچھا کام کروں۔

---

[1] وتعاونوا علی البرِ والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثمِ والعدوان۔ مائدہ ۵۰

[2] قال ما مکنّی فیہ ربی خیر فاعینونی بقوۃ اجعل بینکم وبینھم ردما۔ کہف ۔ ۱۸ ۔ ۹۵ ۔ اسی طرح طبرانی کی روایت میں ہے اعینونی یا عباد اللہ حصن حصین ص ۱۶۳

تو تم میری اعانت کرو۔ اور اگر بُرا کام کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔[۱] ایسی اعانت دینی بھائیوں سے مانگنی افضل ہے۔ کیونکہ اسی پر مدنیت شہریت اور معاشرتِ ملکی کی بنیاد قائم ہے۔ پس شیخ موصوف کا یہ قول مطلق کہ غیر اللہ سے سوال اصل میں حرام ہے اور کہ اس کا ترک افضل ہے بالکل غلط ہے۔ قرآن میں ہے۔ کہ اگر تم اس کی (نبی کی) مدد نہ کرو گے تو تحقیق اللہ نے تو اس کی مدد کی۔[۲] اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کی مدد جسے نصر کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے دوسرے لوگ کر سکتے ہیں۔ اور ایسی مدد دوسروں سے طلب ہو سکتی ہے۔ اور ایسی طلب افضل ہے۔ اگر ایسی مدد اور اس کی طلب افضل نہ ہوتی تو تارک کو وعید نہ ہوتی۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ غیر اللہ سے مدد کی ترغیب دینے والا خود خدا ہے۔ آپ غور کریں کہ ایسی مدد کے لئے سوال کا ترک کس طرح افضل ہو سکتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن میں ہے کہ اے مومنو! اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریوں کو کہا کہ اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں۔ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔[۳] اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود مومنوں سے مدد چاہتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ نے بھی اپنے حواریوں سے مددگار بننے کی خواہش ظاہر کی۔ اس لئے ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ غیر اللہ سے نصر یعنی امداد کا سوال حرام ہے۔ اور کہ اس کا ترک افضل ہے۔ غیر اللہ سے ترک سوال اس وقت افضل ہے جب کہ ہم غیر اللہ کو اللہ کا شریک سمجھ کر اس سے سوال کریں ورنہ مطلق طور پر غیر اللہ سے سوال کا ترک ضروری نہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے۔ معلوم ہوتا

---

[۱] فان احسنت فاعینونی وان اساءت فقوّمونی۔ سیرۃ ابن اسحاق منتخب جلد ۲ ص ۱۵۹۔ [۲] الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین الآیہ براۃ ۹۔ ۴۰ [۳] یا ایھا الذین اٰمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسیٰ بن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ۔ قال الحواریون نحن انصار اللہ۔ صفٰت ۶۱ - ۱۴

ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کو یہاں مغالطہ ہوا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ اگر وہ تم سے مدد طلب کریں۔ تو تم پر مدد کرنا واجب ہے[۱] یہ آیت کبار صحابہ یعنی مہاجرین کے متعلق ہے۔ اور ان کے لئے مدد و اعانت کا رسول سے طلب کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں انسب پس امداد یعنی نصر کا سوال غیر اللہ سے ہو سکتا ہے اور ایسا سوال ممنوع نہیں۔ اور نہ ہر جگہ اس کا ترک افضل ہے۔ حج میں ہے۔ اور تحقیق اللہ تعالےٰ ضرور مدد کرتا ہے اس کی جو اس کی امداد کرتا ہے[۲]۔ ذرا غور تو فرمائیں کہ جہاں خود اللہ تعالےٰ غیر اللہ سے مدد کا خیال رکھتا ہے اور غیر اللہ کو اپنی مدد کی ترغیب دیتا ہے تو وہاں اوروں کا کیا حال ہوگا۔ ان حالات میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان لوگوں سے جو حُبّ اللہ میں فنا ہو چکے ہیں۔ یعنی نبیوں اور کامل مومنوں سے اس قسم کے سوال جائز ہیں۔ بلکہ بعض حالات میں ضروری ہیں۔ اسی بنا پر صحابہ جو اُمت کے افضل ترین افراد ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ سے مختلف استدعائیں اور مختلف قسم کے سوال پیش کرتے تھے۔ اور ایسے سوالات اور استدعائیں بارگاہِ رسالت سے شرفِ قبولیت حاصل کرتی تھیں۔ دیکھو باب اوّل فقرات ۵۳ تا ۳/۷۔ استغفار کی استدعائیں بھی جو رسول اللہ صلعم سے کی جاتی تھیں اسی قسم کے سوالوں میں داخل ہیں۔ پس ایسی دعاؤں اور سوالوں کی ممانعت نہیں۔ اور نہ ایسے سوالوں کا ترک افضل ہے۔ اس لئے علم کے سوال کے سوا اور سوال بھی رسول اللہ سے اور کامل مومنین سے ہو سکتے ہیں اور بعض حالات میں ہونے چاہیئں۔ باب اوّل میں صاف طور بیان کیا گیا ہے۔ کہ بہت سے صحابہ نے

---

[۱] والذین امنوا ولم یہاجروا ما لکم من ولایتہم من شیٔ حتیٰ یہاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر - انفال ۸-۷۲-۵۲ ولینصرن اللہ من ینصرہ - حج - ۲۲ - ۴۰ -

رسول اللہ صلعم سے علم کے سوال کے سوا اور سوالات بھی کئے۔ تبرک۔ درازیٔ عمر خیر و صلاح۔ نجات۔ استغفار۔ تزکیہ وغیرہ کے لئے دعاؤں کی استدعائیں آپ کی خدمت میں پیش ہوئیں اور آپ نے ان استدعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا اور دعائیں کیں۔ پس صحابہ کا عمل ہمارے لئے کافی ہے۔ اصحابی کا لنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ اس لئے شیخ ابن تیمیہ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ صرف علم کا سوال دوسروں سے ہونا چاہئے۔ بات یہ ہے کہ صدقہ وخیرات کے لئے سوال اصل میں حرام۔ اور ضرورت کے لحاظ سے مباح ہے۔ جیسا کہ نصوص سے ظاہر ہوتا ہے صحیح مسلم میں ہے کہ سوال صرف تین شخصوں کے لئے جائز ہے۔ ایک وہ شخص جس پر کوئی بوجھ ذمہ داری کا ہو۔ اس کے لئے سوال جائز ہے۔ تا آنکہ وہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے۔ پھر وہ سوال سے باز رہے۔ دوسرا وہ شخص جسے بھوک نے تنگ کر دیا ہو۔ اور اُسے نفقہ کی ضرورت ہو۔ اُس کے لئے سوال جائز ہے۔ تا آنکہ وہ ضروری معاش پالے۔ تیسرا وہ شخص جسے فاقہ لگا ہو الخ[1] صحیحین میں ہے کہ ایک شخص لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے تا آنکہ وہ قیامت کے روز آئے گا۔ درحالیکہ اُس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا[2]۔ یہاں بھی سوال صدقہ یا خیرات کا مراد ہے۔ صحیحین میں ہے رسول اللہ صلعم منبر پر صدقے کا اور سوال سے پرہیز کرنے کا ذکر فرما رہے تھے اور یہ کہ رہے تھے کہ ید عُلیا ید سفلیٰ سے بہتر ہے۔ ید علیا خرچ کرنے والا ہے اور ید سفلیٰ مانگنے والا ہے[3]۔ اس مضمون کے متعلق بہت سی حدیثیں کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ ان سب حدیثوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صدقات کے لئے سوال اصل میں حرام ہے۔ اور صرف ضرورت کے وقت مباح ہے

---

[1] مشکوٰۃ باب من لا تحل لہ المسئلۃ ومن تحل لہ۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً

شیخ ابن تیمیہ اس اصول کو ہر جگہ عاید کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنا درست نہیں۔ تزکیہ۔
استغفار۔ برکت۔ حصول کمال۔ دینی کامگاری کے سوالات پر صدقہ کے سوال کا اصول
اطلاق پذیر نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر استغفار۔ اور
تزکیہ وغیرہ کا سوال اصل میں حرام ہوتا اور توکل کے رو سے اس کا ترک افضل
ہوتا جیسے شیخ ابن تیمیہ کا خیال ہے تو رسول اللہ صلعم کبھی بھی کبار صحابہ کو حکم نہ دیتے
کہ تم اویس قرنی سے دعائے استغفار کرانا۔ اور حضرت عمرؓ سے کبھی نہ کہتے۔ کہ
دعا کے وقت ہم کو نہ بھولنا حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم
کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر اویس اللہ کی قسم کھائیں۔ تو اللہ ان کی بات
پوری کرے گا۔ لہذا اگر تم میں سے کوئی ان سے ملے تو ان سے استغفار کرائے۔
چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت اویسؓ سے ملے اور انہوں نے ان سے دعائے استغفار
کرائی[1] ان تمام باتوں کی موجودگی میں یہ کہنا کہ استغفار۔ تزکیہ حصول کمال۔
برکت اور صلاح و خیر کے لئے دعا کی استدعا اصل میں حرام ہے۔ بالکل غلط
ہے۔ اگر کوئی سوال اصل میں حرام ہے تو وہ صرف صدقات و خیرات کا ہے۔
شیخ ابن تیمیہ اپنے استدلال کی تائید میں کہتے ہیں کہ "صحیحین میں ہے رسول اللہ صلعم
نے فرمایا۔ میری امت میں سے ستر ہزار بعد حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے
وہ وہ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ اپنے کو داغ نہیں لگواتے۔ شگون بد کے
قائل نہیں ہوتے۔ اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں۔ اس حدیث میں ان لوگوں
کی تعریف کی گئی ہے جو پھونک نہیں ڈلواتے۔ جھاڑ پھونک بھی دعا کی ایک قسم
ہے۔ یعنی کسی) دعا کی کسی سے خواہش نہیں کرتے[2]" یہ استدلال بالکل غلط ہے۔

[1] اسد الغابہ حضرت اویس قرنی۔ منتخب جلد ۵۔ ص ۳۸۹ تا ۲۹۱۔ تذکرہ اویس۔ روایت مسلم۔ و دیگر روایتیں۔ [2] کتاب الوسیلہ ص ۵۷۔

یہ حدیث صحیحین کی جو شیخ ابن تیمیہ نے پیش کی ہے اس میں استرقا۔ الکتوی۔ بتطیر کے
الفاظ آئے ہیں۔ الکتوی داغ لگوانے کو کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا تداوی ہے۔ احمد۔
ترمذی اور ابو داؤد میں ہے یا عباد اللہ تداووا۔ یعنی اے عباد اللہ دوا کراؤ کیونکہ اللہ
نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی جس کے لئے شفا مقرر نہ کی سوائے ایک بیماری موت
کے[1]۔ بخاری کی روایت ہے کہ اللہ نے کوئی بیماری نہیں اُتاری جس کی ساتھ ہی
شفا نہیں اُتاری[2]۔ مسلم میں ہے کہ ہر ایک بیماری کے لئے دوا ہے۔ جب دوا بیماری
کو پہنچتی ہے۔ تو بیماری اللہ کے حکم سے دُور ہو جاتی ہے[3]۔ ان حدیثوں سے ظاہر
ہے کہ موت کے سوا ہر بیماری کے لئے علاج موجود ہے۔ اور کہ بیماری کا علاج
کرانا چاہیئے۔ الکتوی بھی ایک قسم کا علاج ہے۔ اس حدیث توکل میں صرف الکتوی
کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور ظاہر کیا گیا ہے کہ داغ نہ لگوانا بھی بلاحساب جنت میں
داخل ہونیوالوں کی ایک علامت ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ داغ لگوانے
کے سوا اور کسی طرح کا علاج کرانے والے بھی بلا حساب داخلِ جنت نہ ہوں گے بالکل
غلط ہے۔ دوسرا لفظ اس حدیث کا اشترقا ہے یعنی جھاڑ پھُونک سے علاج کرانا۔ یہ
بھی مشروع ہے۔ انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے آنکھ، بچھو کے کاٹے
اور غلہ کے رقیہ کی اجازت دی[4]۔ صحیح مسلم میں جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے
ہم کو رُقی سے منع کیا۔ پھر عمرو بن حزم کا قبیلہ آیا۔ اور اُنہوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ
ہمارے پاس رقیہ بچھو کا ہے جس سے ہم جھاڑ پھُونک کرتے ہیں۔ مگر آپ نے
رقی سے منع کیا ہے۔ اُنہوں نے وہ رقیہ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے
فرمایا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ جو کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانا
چاہے وہ ضرور پہنچائے[5]۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ لوگ شرک کے کلمات سے جھاڑ

[1] ، [2] ، [3] مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی [4] ، [5] مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی

پھونک کرتے تھے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلعم نے ان کو رقی کے استعمال سے منع کر دیا تھا۔ لیکن بعد میں جب رقیہ کے کلمات آپ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ اور آپ نے دیکھا کہ ان میں کوئی کلمہ شرک کا نہیں۔ تو آپ نے اجازت دیدی چنانچہ مسلم کی دوسری حدیث اوف بن مالک اشجعی سے مروی ہے کہ ہم زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ ہم نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنے رقی اسناؤ۔ (کہ تم کیا پڑھتے ہو) رقی ایں کوئی قباحت نہیں۔ اگر اس میں شرک نہ ہو[۵۱] پس ظاہر ہے کہ جھاڑ پھونک بھی ایک قسم کی دعا ہے۔ جو پڑھ کر پھونکی جاتی ہے۔ اس طرح دعا کی اور بہت سی قسمیں ہیں۔ نظر بھر کر دیکھنا۔ یعنی نظر کے ذریعے دعا کرنا۔ دل میں توجہ کر کے دعا کرنا۔ زبان سے بول کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ ہاتھ پھیر کر یا لعابِ دہن ڈال کر دعا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ سوائے رقیہ کے باقی ہر قسم کی دعا سے تمسک کرنے والا جنت میں بلا حساب داخل ہو سکتا ہے۔ اگر اس میں باقی شروط بھی حدیث کے جمع ہوں۔ شیخ ابنِ تیمیہ کا رقی میں ہر قسم کی دعا کو داخل کرنا سراسر غلطی ہے۔ تیسرا لفظ تطیّر ہے مسند احمد۔ ابوداؤد ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے۔ کہ طیرۃ شرک ہے[۵۲] مسلم۔ نسائی۔ بخاری۔ ابنِ ماجہ اور مسند احمد میں ہے کہ اگر بری فال کسی شئے میں ہے تو وہ گھر، عورت اور گھوڑا ہے[۵۳] اس سے ظاہر ہے کہ حدیثوں میں شگونِ بد کی مذمت کی گئی ہے۔ اس لئے اس سے احتراز مناسب ہے۔ توکل کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اپنی سعی کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھا جائے۔ اور یہی خیال رکھا جائے کہ جو کچھ ہوتا ہے

---

[۵۱] مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی۔ [۵۲] منتخب جلد ۴۔ ص ۲۳۔ کتاب الطیرۃ والفال زا[illegible]

[۵۳] منتخب جلد ۴۔ ص ۲۳۔

اللہ کے فضل و کرم سے ہوتا ہے۔ ذاتی کوشش سے بالانفراد کچھ بن نہیں پڑتا۔ چنانچہ توکل کا صحیح مسلک ترمذی کی ایک حدیث سے مترشح ہوتا ہے۔ جو انسؓ سے مروی ہے۔ اعقلھا و توکل[1] پس تدبیر اور ذاتی سعی توکل کے منافی نہیں۔ فارسی والوں نے اس کا خوب ترجمہ کیا ہے۔ ع بر توکل زانوئے اشتر ببند۔ یعنی اونٹ کا گھٹنا بھی باندھو۔ اور ساتھ ہی توکل بھی کرو۔

تقریر بالا سے ذیل کی باتیں ثابت ہوتی ہیں:۔

اوّل۔ ذاتی کوشش اور سعی توکل کے نقیض نہیں۔

دوئم۔ رقیہ میں تمام قسم کی دعائیں داخل نہیں۔

سوم۔ اکتوا میں تمام قسم کا نداوی داخل نہیں۔

پس ظاہر ہے کہ جو لوگ دوسروں سے استغفار۔ تزکیہ۔ حصولِ برکت و کمال اور خیر و صلاح کی دعائیں کراتے ہیں وہ لازمی طور ان لوگوں سے خارج نہیں۔ جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے اور جو استدلال شیخ ابن تیمیہ نے اس حدیث سے کیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ امر (۲) کا بطلان بھی اوپر ہو چکا ہے۔ رسول اللہ اور کامل مومنوں سے اپنی بہتری اور بہبودی کا سوال دعا بہت مناسب ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ کی دعا کے بغیر کوئی شخص کہیں پہنچ ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ مختلف مقامات پر تفصیل سے واضح کر دیا گیا ہے۔ وہ گنتی کے چند اولیائے کرام ہیں۔ جو ایسے متوکل ہیں کہ کسی سے بھی سوال نہیں کرتے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال کئے بغیر ان کو بھی چارہ نہیں۔ کیونکہ وہ بھی کمال عروج پر نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک کہ وہ رسول اللہ صلعم کے دروازے پر سوالی کی حیثیت سے پیش نہ ہوں۔ اور وہاں تزکیہ کی استدعا پیش نہ کریں۔

---

[1] منتخب جلد اوّل ص ۱۶۱۔ توکل۔ یعنی باندھ اسے اور توکل کر۔

امر (۳) شیخ ابنِ تیمیہ خود ہی یہاں اپنے اس عقیدے کا کہ غیر اللہ سے سوال اصل میں حرام ہے بطلان پیش کرتے ہیں۔ مانا کہ رسول کے لئے امت کی دُعا سے خود اُمت کو فائدہ ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ کو بھی اس سے ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے۔ آخر یہ سوال ہے۔ خواہ اس کی کچھ ہی تاویل کی جائے۔ اگر رسول اللہ صلعم کو اُمت کی دُعا سے فائدہ نہ پہنچتا ہوتا تو پھر کبھی اللہ تعالیٰ اُمت محمدی کو درود وسلام بھیجنے کا حکم نہ دیتے اور خود رسول اللہ صلعم کسی سے دُعا کا خیال ظاہر نہ فرماتے۔ اور آپ کی اُمت آپ کے لئے تا قیامت کسی قسم کی دعا نہ کرتی۔ حالانکہ یہ سب کچھ ہوتا ہے اور ان دعاؤں سے آپ کے مراتب بڑھتے ہیں۔

امر (۴) جب دُعا طلب کی گئی ہے۔ تو وہ دعا کے لئے سوال ہی تو ہے۔ خواہ ایسا سوال ترغیب کہلائے یا حکم۔ اس سے شیخ موصوف کا یہ خیال کہ غیر اللہ سے سوال اصل میں حرام ہے۔ خود بخود غلط قرار پاتا ہے۔

امر (۵) ایسا سوال ہرگز قابلِ اعتراض نہیں۔ سوال کرنیوالے کی نیت خواہ کچھ ہی ہو۔ دعا کرنیوالے کو بھی ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک مسلم کی دعا اپنے بھائی کے لئے اس کی پیٹھ پیچھے مقبول ہوتی ہے۔ اُس کے سر کے پاس ایک فرشتہ متعین ہوتا ہے۔ جب کبھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لئے دُعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ آمین۔ اور تیرے لئے بھی یہی ہو[۱]۔ پس اگر دعا چاہنے والے کی نیت صرف ذاتی فائدہ کی ہی ہو ــ جب بھی دعا کرنے والے کو فائدہ پہنچکر رہتا ہے۔ اس لئے ایسی دُعا اور ایسی دُعا کے لئے سوال کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں اگر شیخ ابن تیمیہ اسے قابلِ اعتراض سمجھتے ہیں تو ان کے ہم چشم اس کی کوئی سند پیش کریں

[۱] مشکوٰۃ کتاب الدعوات ص ۱۶۳

امر (۶) کامل مومن اور نبی وفات کے بعد زندہ رہتے ہیں۔ اور ان کی رُوحوں میں وہ سب طاقتیں اور قوتیں موجود ہوتی ہیں۔ جو انہوں نے دنیا میں حاصل کی ہوتی ہیں۔ اس لئے اُن سے دُعا کا سوال ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ اپنے مقام پر تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ دیکھو ابواب اوّل وسوئم۔ وگذشتہ عتقادات وجوابات۔

۱۵ــــ غیر اللہ سے اللہ کی سی محبت نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن رسول سے محبت کئے بغیر کوئی سالک منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔ شرعی اصول یہ ہے کہ اللہ اور رسول سے محبت سب چیزوں سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ صحیحین میں رسول صلعم کا فرمان موجود ہے۔ کہ تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوتا۔ جب تک اس کو مجھ سے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو[۵۱] صحیحین میں ہے کہ مومن کے حلاوتِ ایمان کی ایک نشانی یہ ہے۔ کہ اس کو اللہ اور رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں[۵۲] گویا رسول کی محبت اللہ کی ہی محبت ہے۔ جو کوئی رسول کی محبت کو اللہ کی محبت سے جُدا سمجھے۔ وہ غلطی پر ہے۔ بلکہ کامل مومنوں اور عام مومنوں سے بھی محبت علامت ایمان کی ہے۔ صرف بات یہ ہے کہ نبیوں اور بندوں سے محبت صرف اللہ کے لئے ہونا چاہیئے۔ جس نے اللہ کے لئے محبت کی اللہ کے لئے بُغض رکھا۔ اللہ کے لئے دیا اللہ کے لئے ہاتھ روکا۔ اُس کا ایمان کامل ہوا[۵۳] اس لئے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم اور مومنوں سے محبت اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ اور ایسی محبت معیارِ ایمان ہے۔ اگر ایسی محبت پر شیخ ابن تیمیہ کا اعتراض ہے تو ایسا اعتراض بالکل پیش پا اُفتادہ ہے۔ مخلوق کی طرف نہیں

---

[۵۱] مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان۔ [۵۲] مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان۔

[۵۳] مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان۔ ترمذی وابوداؤد۔

رسول کی طرف رُجوع رغبت اور اُمید ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں
ہوسکتا۔ توکل کمال ایمان کا آخری مرحلہ ہے۔ اس سے حاصل کرنے کے لیے بڑی جدّ و جہد
کی ضرورت ہے۔ اور سب سے پہلے سالک کے لئے ضروری ہے۔ کہ کسی کامل
متوکل کی بیعت کرے۔ اس کی طرف رجوع کرے اور اس سے منازلِ توکل طے
کرنے کا راستہ سیکھے۔ جب تک یہ شرط بجا نہ لائے گا۔ توکل کی راہ تک نہ پہنچے گا۔ ۵۱
اسی لئے صحابہ اور صحابیات کرام رسول اللہ صلعم سے بیعت کیا کرتی تھیں۔ اکیلے
خدا تعالیٰ کی طرف رجوع زبان سے کہہ دینا آسان ہے۔ مگر اس کا عملی حل مشکل ترین
کام ہے۔ رجوع الی اللہ کا آخری مرحلہ کوئی مومن حاصل نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ
اُسے رجوع الی الرسول حاصل نہ ہو۔ رجوع الی الرسول اُسے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ جسے
فنا فی الرسول کا مرتبہ حاصل ہو۔ فنا فی الرسول کو دوسرے لفظوں میں اشدّ ترین
حُبِّ رسول کہتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ رسول کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت
ہے۔ ومن یطیع الرسول فقد اطاع اللہ اور رسول کی محبت عین اللہ کی محبت
ہے۔ حُبّ اللہ رُونما نہیں ہوسکتی۔ جب تک حُبّ رسول پہلے موجود نہ ہو۔ گویا
حُبّ اللہ کے لئے حُب رسول شرط ہے۔ رسول کی طرف رجوع عین اللہ کی طرف
رجوع ہے۔ کیونکہ ایمان مومن کا منعقد نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ
کے ساتھ محمد رسول اللہ شامل نہ کرے۔ مومن کا رجوع حق تعالیٰ کی طرف صحیح
معنوں میں اس وقت درست ہوتا ہے۔ جب کہ اس کا رجوع پہلے رسول کی طرف
درست ہو۔ اور اس کا ایمان رسول کی رسالت پر پختہ ہو۔ جو اللہ تعالیٰ سے اُمید
رکھے گا اُسے پہلے رسول سے اُمیدِ شفاعت و رحمت رکھنا چاہیے۔ کیونکہ آپ

۵۱۔ تفصیل کے لئے دیکھو باب پنجم۔
۵۲۔ ان اصطلاحات کے حل کے لئے دیکھو باب پنجم۔

قاسم ہیں - اور اللہ معطی ہے[۱]۔ اور رسول کی وساطت کے بغیر کوئی عطیۂ حق کسی کو نہیں مل سکتا - پس رسول سے رغبت - محبت اور رجُوع اسباب شرک سے نہیں - بلکہ اسبابِ ایمان سے ہے - جہاں شیخ ابنِ تیمیہ جیسا مجتہد ایک ایسے اہم مسئلے کے مالۂ اور ما علیہ پہ غور کئے بغیر ایک غلط کُلیّہ قائم کر دے وہاں اوروں کی کیا حالت ہو گی - ایک بات اور سُن لیجیے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تُو کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبّت رکھتے ہو - تو میری تابعداری کرو - اللہ تم سے محبّت کرے گا[۲]۔ یہاں تین باتوں کا ذکر کیا گیا ہے - حُبِّ اللہ - متابعتِ رسول - اور محبوبیت اللہ - جو مومن اللہ تعالےٰ سے محبّت رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسول کی تابعداری کرے - جو رسول کی تابعداری کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے - رسول کا تابعدار صحیح معنی میں کون ہے - وہ شخص جسے رسول سے تمام مخلوق سے حتیٰ کہ اپنی اولاد اور اپنی جان سے بھی زیادہ محبّت ہو - جیسا کہ صحیحین کی مشہور حدیث میں ہے[۳] جو شخص رسول سے محبّت کئے بغیر رسول کی تابعداری کرے - وہ رسول کے خوف سے تابعدار ہے - اور ایسا تابعدار سب سے نچلے درجے کا ہوتا ہے - جیسے کہ کوئی ظالم بادشاہ کے خوف سے اس کی تابعداری کرے - اس لئے صحیح معنی میں رسول اللہ صلعم کے اقوال و افعال کا وہی تابعدار ہو سکتا ہے جو رسول پہ سو جان سے فریفتہ ہو - اس لئے ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کے محبوب بننے کا واحد ذریعہ رسول کی اشد ترین محبّت ہے - اور یہ محبت حق تعالیٰ کی محبت سے جدا نہیں کی جا سکتی - پس شیخ ابن تیمیہ کا یہ نظریہ کہ مخلوق کی طرف رجُوع - رغبت - اُمید اور غیر اللہ سے اللہ کی سی محبت حرام ہی - صریحاً مخدوش ہے - انہیں شان رسالت کا

---

[۱] انا قاسم و اللہ یعطی - بخاری و مسلم کتاب العلم - [۲] قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم الخ [۳] مشکوٰۃ کتاب ایمان

خیال رکھ کر ایسا نظریہ قائم کرنا چاہئے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ موصوف کو خاتم النبیین کی شان رسالت پر نظر نہیں۔ ذرا اور اندر جائیے اور حُبّ و اطاعت رسول کی شان دیکھئے۔ آیت بالا کا منشاء یہ ہے۔ کہ اللہ کی محبت منعقد نہیں ہو سکتی جب تک کہ رسول کی محبت ساتھ نہ ہو۔ اس لئے کوئی کس طرح کہ سکتا ہے۔ کہ رسول کی محبّت خدا کی محبّت سے جُدا ہے۔ حق تعالیٰ نے تو رسول کی محبت کو اپنی محبت سے کہیں جُدا نہیں رکھا ہے۔ قرآن میں ہے[1] تو کہہ دے کہ اگر تم کو تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے ازواج اور تمہارے رشتہ دار اور مال جو تم نے پیدا کیا ہے اور تجارت جس کے مندا پڑنے کا تم کو خوف ہے اور مکان جو تمہیں پسند ہیں اللہ سے اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو تم انتظار کرو۔ اسی لئے قرآن اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ رسول کی محبت اور اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبّت اور اطاعت قائم ہی نہیں ہو سکتی۔

۱۶ — قرآن کا حکم ہے اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ چاہو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔ شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔[2] بعض مفسّر وسیلہ سے صرف طاعت و اعمال صالح مراد لیتے ہیں۔ لیکن یہاں وسیلہ سے ہر طرح کا مشروع وسیلہ مراد ہے۔ اتقوا اللہ اور جاھدوا کے حکم میں طاعت و اعمالِ صالح کا حکم قدرتی طور داخل ہے۔ جو لوگ وسیلہ سے صرف طاعت مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ابتغوا الیہ الوسیلہ سے تاکید اتقوا اللہ کے حکم کی ہے۔ حالانکہ اصولاً

---

[1] قل ان کان اٰبائکم و ابنائکم واخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ۔ آیۃ ۹-۲۴

[2] یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ وجاھدوا فی سبیلہ لعلھم تفلحون

تاسیس تاکید سے افضل ہے اور معنی کے لحاظ سے بھی وسیلہ سے ایک عم شئے مراد ہے جس جس بات میں اللہ کی طرف توسل لیا جا سکتا ہے وہ وسیلہ میں داخل ہے اس میں ذات کا وسیلہ دعا کا وسیلہ اور اطاعت کا وسیلہ داخل ہے۔ جیسا کہ ان وسیلوں کے متعلق ابواب گذشتہ میں بحث کی گئی ہے[۱] اس آیت سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ ذات کا وسیلہ ممنوع ہے۔ ایسے استدلال کے متعلق شیخ موصوف کو جداگانہ دلائل و براہین پیش کرنے چاہئیں۔ شیخ موصوف کا قول دور یعنی ایک باطل استدلال کی طرف راجع ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ذات کا وسیلہ حرام ہے۔ کیونکہ اس آیت میں ذات کا وسیلہ نہیں۔ اطاعت کا وسیلہ مراد لیا گیا ہے۔ دوسری طرف آپ کہتے ہیں کہ اس آیت میں صرف اطاعت کا وسیلہ لیا گیا ہے۔ کیونکہ ذات کا وسیلہ حرام ہے۔ یہ دَور ہے اور دَور باطل ہے۔ ان کو ہر دعویٰ کی جداگانہ دلیل پیش کرنا چاہیئے۔

۱۷۔ استسقاء والی حدیث میں ذات کا وسیلہ مراد ہے پہلے عم نبی صلعم کی ذات کا وسیلہ لیا گیا۔ اور پھر اُسے آپ کی دعا سے تقویت دی گئی۔ اس کے متعلق مفصل بحث ہو چکی ہے[۲] نابینا نے نبی الرحمت کی ذات کا وسیلہ دعا میں لیا تھا۔ اگر آپ کی وفات کے بعد آپ کی طرف سے دعا ناممکن ہو گئی ہے۔ تو پھر آپ معاذ اللہ منصبِ نبوت سے معطّل ہو چکے ہیں۔ جو کسی طرح بھی جائز نہیں مفصل بحث ابوابِ گزشتہ میں کی گئی ہے دیکھو باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵۔ و باب سوئم فقرات ۱۲ تا ۱۵۔ و جوابات ۱۸ تا ۲۲۔ آپ سے دعا کے متعلق جوابات ۲ تا ۸ دیکھئے۔

۱۸۔ امام ابو حنیفہ کے قول کا جس سے تمسک کیا گیا ہے کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ ان کا قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ میں بحق خلقک کہنا ناپسند کرتا ہوں۔ یہ تو آپ ناپسند

---

[۱] دیکھو باب دوئم کتاب ہذا فقرات ۱۴ و ۱۵ [۲] دیکھو باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵

کرتے ہوں گے۔ مگر اس نابینا والی حدیث کے متعلق جس میں بنبیک الرّحمۃ کے
الفاظ استعمال ہوئے ہیں آپ کی رائے بیان نہیں کی گئی۔ عام خلق اور نبی میں
زمین آسمان کا فرق ہے۔ نبی کی محبت جزوِ ایمان ہے۔ عام خلقت کی محبت کی
نسبت ایسا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ آپ کی اطاعت اور متابعت عین حق تعالیٰ کی
اطاعت ہے[۱]۔ عام خلقت اور مومنین کی نسبت ایسا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے
بحق خلقک پر بحق نبیک الرّحمۃ کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ جب نبی صلعم
ایک ایسی دعا کی تعلیم دیتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایسی دعا مشروع نہ ہو۔ غیر مشروع
دعا کی تعلیم آپ کبھی کسی کو نہیں دے سکتے۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کا قول اس مشروع
دعا کے متعلق پیش کرنا چاہیئے تھا۔ ان کی عام رائے سے کوئی بات مفید مطلب
پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس سقم کو شیخ ابنِ تیمیہ آگے چل کر خود تسلیم کرتے ہیں۔ دیکھو اعتقاد نمبر[۱۹]
آپ کی ذات کا وسیلہ نابینا والی دعا میں مذکور ہے۔ ذات کے وسیلہ کے متعلق دیکھو
باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵۔ و باب سوئم فقرات ۱۳ تا ۱۵۔ آپ کی قبر کا وسیلہ استسقا
میں لیا گیا۔ دیکھو روایت دارمی مشکوٰۃ باب الکرامات جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ اس لئے
شیخ ابنِ تیمیہ کا یہ خیال کہ وسیلہ آپ کی ذات یا آپ کی قبر کا کبھی نہیں لیا گیا۔ بالکل غلط
ہے۔ اگر بفرضِ محال امام ابو حنیفہ نے یہ رائے قائم کی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے
واسطہ سے دعا حرام مطلق ہے۔ تو اس کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ ان کو نابینا والی حدیث
نہ پہنچی ہوگی۔ اور نہ استسقا والی حدیث کے متعلق وہ تفصیلی حال جو حضرت عباس کے
تذکرے میں اسد الغابہ میں موجود ہے۔ یہ آثار و احادیث اگر ان کو پہنچ جاتے تو وہ اپنی رائے
سے رجوع کرتے۔ اور وہی رائے قائم کرتے جو ان شواہد سے مستنبط ہوتی ہے۔
اللھم انی اسئالک

۱۹ — ترمذی۔ ابن ماجہ۔ نسائی اور مستدرک حاکم کی یہ دعا ہے

[۱] ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ الآیہ۔

اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی ربی اللھم شفعہ فی۔ (حصن حصین ص ۲۰۲) شیخ ابن تیمیہ اس کی عجیب تاویل کرتے ہیں۔ جو شخص دین کی اطاعت کر رہا ہے۔ اسے اس کی اطاعت کا ثمرہ ملتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کو امداد کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے۔ امداد کی ضرورت ہی صرف اس شخص کو پڑتی ہے جس سے اطاعت میں قصور واقع ہوتا ہو۔ ایسا شخص اگر یہ دعا پڑھے تو شیخ ابن تیمیہ کی رائے میں مفید مطلب نہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ یہ حق تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ ایک بڑے سے بڑے گنہگار کو تھوڑی سی عاجزی اور دعا سے بخش دے۔ اور ایک اچھے آدمی کو تھوڑی سی غفلت پر سزا دے۔ اس دعا کی موجودگی میں یہ قید لگانا کہ حضرت محمد صلعم پر ایمان اور آپ کی اطاعت و محبت کا حوالہ دے کر سوال کرنا مفید مطلب ہوسکتا ہے شیخ موصوف کی سینہ زوری ہے۔ ہم نے اوپر تفصیل سے واضح کر دیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کا اور آپ کی دعا کا وسیلہ لیا جا سکتا ہے[1] اور جو شخص آپ کی ذات کا اور آپ کی عزت و حرمت کا وسیلہ دعا لیتا ہے وہ بلاشبہ آپ پر ایمان رکھتا ہے اور آپ سے محبت بھی کرتا ہے۔ ورنہ وہ کس طرح نبی کو نبی کہہ سکتا۔ اور انہیں نبی الرحمت کے نام سے موسوم کر سکتا ہے دعا دعا ہے۔ خواہ وہ نبی کی عزت و حرمت کے حوالے سے ہو۔ خواہ آپ کی دعا کے حوالہ سے اور خواہ اپنی اطاعت کے حوالے سے۔ خواہ ان سب چیزوں کے حوالے سے۔

۲۰۔ نبیوں کے حق کے ساتھ سوال جائز ہے۔ جہاں نبیوں کی ذات کا وسیلہ لیا جاتا ہے۔ وہاں نبیوں کے حق اور عزت و حرمت وغیرہ کا حوالہ خود بخود آموجود ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کی وساطت کو اُن کے حق، عزت و حرمت کی وجہ سے قبول کرتا ہے۔ یہ کہہ کر کہ نبیوں کے حق کے ساتھ سوال جائز ہے۔

---

[1] باب دوم فقرات ۱۴ و ۱۵، باب سوم فقرات ۱۳ تا ۱۵۔ دجوابات بالا۔

شیخ ابن تیمیہ خود اپنی ہی تردید کرتے ہیں۔ ایک طرف تو وہ کہتے ہیں کہ نبی کی
ذات کا وسیلہ غیر مفید ہے۔ دوسری طرف کہتے ہیں کہ اُن کے حق کے ساتھ
سوال جائز ہے۔ نبی کی ذات کا وسیلہ ہمارے لئے ہے۔ استجابت دُعا حق
تعالیٰ کے یہاں اُن کے حق پر موقوف ہے۔ آپ کا حق آپ کی عزت و حُرمت
سے جُدا نہیں ہوسکتا۔ اس طرح آپ ایک طرح سے ذات کے وسیلے کو جائز
قرار دیتے ہیں۔ گویا آپ ناک کو پکڑتے ہیں۔ مگر گردن میں ہاتھ ڈال کر۔

۲۱ — شیخ ابن تیمیہ یہاں اس نابینا والی دُعا کی تاویل کرکے اُسے جائز قرار
دیتے ہیں۔ شیخ موصوف کو غور کرنا چاہئے کہ جو شخص نبی کا وسیلہ لاتا ہے۔ وہ لازمی
طور پر نبی سے محبت رکھتا ہے۔ کیونکہ ایمان بالرسول دوسرے لفظوں میں حُبِ رسول
ہے۔ پس اسئالک بنبیک محمد میں ایمان بالنبی اور حُبِ رسول خود بخود داخل ہیں۔
اور اس طرح یہ دُعا شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک بھی درست ہے۔ اب بحث کس بات پر
ہے۔ شیخ ابن تیمیہ کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ اس بات کو تسلیم کرلینے سے اُنہوں نے
رسول کی ذات کا وسیلہ تسلیم کرلیا۔ اور اس طرح اپنے انکار کی جو دیوار اُنہوں
نے کھڑی کی تھی وہ سب کی سب گرادی۔ سچ ہے جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔

۲۲ — خدا سے کسی مخلوق کے واسطہ سے سوال ایک بات ہے۔ اور نبی کے
واسطہ سے سوال دوسری بات ہے۔ شیخ ابن تیمیہ خود کہتے ہیں کہ کسی مخلوق کے
ذریعہ سے سوال و دُعا کو بعض نے جائز بتایا ہے۔ آپ کا یہ قول بے معنی ہے۔ کہ
نابینا والی حدیث حجت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اندھے نے آپ کی دُعا و شفاعت کا
وسیلہ چاہا تھا۔ اور یہ آپ کے معجزات سے تھا۔ "نابینا نے تو یہ الفاظ کہے تھے۔
انا اسئالک اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمت۔ اب ان الفاظ کی یہ تاویل
کرنا کہ اندھے نے صرف آپ کی دعا و شفاعت کا وسیلہ چاہا تھا۔ شیخ کی سینہ زوری

نابینا تو ان الفاظ سے آپ کی ذات آپ کے نبی الرحمت ہونے کا وسیلہ لیتا ہے
یہ دوسری بات ہے کہ نبی اس وسیلہ کے ساتھ اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور
نابینا کو بینائی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اگر نبی کا معجزہ ہے تو صدیق کے لئے یہی فعل
کرامت ہے۔ پس بات وہی قائم رہتی ہے کہ نبی الرحمتہ کا وسیلہ لینا جائز ہے۔ خواہ
وہ وسیلہ ذات کا ہو۔ یا آپ کی عزت و حرمت کا۔ یا آپ کی دُعا و شفاعت کا۔ یا
مجموعی طور سب کا۔ اب بھی اگر کوئی نابینا کسی کامل مومن کسی کاملِ اُمتی سے
بینائی کی دعا کرلے تو یہ ہر طرح سے ممکن ہے کہ اُسے بینائی حاصل ہو۔ بلکہ ضروری
ہے کہ اُسے بینائی حاصل ہو۔ کیونکہ جیسے نبیوں کا معجزہ برحق ہے۔ ویسے ہی ولیوں
کی کرامت بھی برحق ہے۔ ؎

فیض رُوح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

۲۳ —— اس کے تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

۲۴ —— اصحاب ابو حنیفہ کی رائے کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ باقی باتوں کی نسبت
اُوپر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو جوابات ۷ تا ۲۲۔

۲۵ —— بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵ و جوابات ۷ تا ۲۲
و باب سوئم فقرات ۲ تا ۱۵۔

۲۶ —— درست ہے۔

۲۷ —— بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو باب سوئم فقرہ ۱۱۔ بالخصوص اور فقرات ۵ تا
۱۱ بالعموم۔

۲۸ —— بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو باب سوئم فقرات ۵ تا ۱۱۔

۲۹ —— بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو باب سوئم فقرات ۵ تا ۱۱

۳۰ —— بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو ابواب گذشتہ و اعتقادات ۲ تا ۸

۳۱ ـــ بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو ابواب گذشتہ بالخصوص باب سوم فقرہ ۱۱

۳۲ ـــ قبر نبوی کی زیارت کا پورا فائدہ کامل مومن ہی اٹھا سکتے ہیں۔ عام مومنین کو اس سے فائدہ تو ہوتا ہے۔ مگر اس قدر نہیں جس قدر کاملین کو ہوتا ہے۔ کامل مومن قبر نبوی پر روحِ نبوی کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ ان کی باطنی آنکھ کھلی ہوتی ہے اور اس آنکھ سے وہ دیدار نبوی سے محظوظ ہوتے ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ اور ان کے ہم چشموں کو ایسی باتوں سے کیا واسطہ۔ شد رحال والی حدیث کے سمجھنے میں شیخ ابن تیمیہ کو شدید غلطی ہوئی ہے۔ اس کا ازالہ تیسرے باب میں پڑھیں۔ دیکھو خاص طور فقرات ۴ و ۵۔ باب سوم۔

۳۳ ـــ نذر کے متعلق مفصل بحث اعتقاد (۳۳) میں اور زیارت کے متعلق باب سوم فقرات ۴۔ ۵ و ۶ میں کی گئی ہے۔

۳۴ ـــ تیسرے باب میں اور اس باب میں بھی بحث ہو چکی ہے کہ زیارت کا لفظ خود حدیثوں میں آیا ہے اور جب اس لفظ کا اطلاق عامہ قبور کے لئے نبی صلعم نے جائز قرار دیا ہے۔ تو پھر اس لفظ کا استعمال قبر نبوی کے لئے بطریق اولیٰ جائز ہے۔ اگر امام مالک رض نے اس لفظ کے استعمال کو کہیں مکروہ قرار دیا ہے۔ تو اس کا حوالہ دینا چاہیئے تھا۔ اور اگر انہوں نے واقعی مکروہ قرار دیا ہے تو پھر یہ ان کی اپنی رائے ہے جس کی تردید حدیثوں سے ہوتی ہے۔ حدیثوں کی موجودگی میں کسی امام کے قول سے تمسک نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر کوئی تمسک کرے تو وہ خطا کار ہے کیونکہ وہ حدیث کو ترک کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اسے مکروہ اسی خیال سے کہا ہوگا کہ لوگ قبر نبوی کی پرستش شروع نہ کر دیں۔ یا اسے عید نہ بنائیں لیکن جب ایسا احتمال موجود نہ ہو تو پھر کوئی قباحت نہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو اعتقادات ۲ ـ ۳ ـ ۴ و ۵ ـ ۶ ـ ۷ و ۸ ـ و باب سوم فقرات ۵ و ۶ ـ فرشتہ نبی سے دعا کے

متعلق ملاحظہ ہو۔جوابات ۲ تا ۵۔

۳۵۔۔۔قبروں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ البتہ وہاں جاکر اہل مقابر کے لئے دُعا کرنا مشروع ہے۔ نبی یا صدیق کی قبر کے پاس اپنے لئے بھی دُعا کہ فائدہ سے خالی نہیں۔جیساکہ گذشتہ ابواب میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ دیکھو ابواب دوئم وسوئم۔ واعتقادات ۲-۳-۴-۵ و ۶-

۳۶۔۔۔یہ سب کچھ درست سہی مگر یہ تو بتایئے کہ آپ کے پاس نابینا والی حدیث اور استسقاء والی حدیث کا کیا جواب ہے ہمیں اور حدیثوں سے تمسک کی ضرورت ہی کیا ہے۔جب کہ ہمارے پاس نابینا والی حدیث جس کی تصریح ترمذی نے کی ہے۔اور استسقاء والی حدیث جس کی تصریح بخاری نے کی ہے موجود ہیں پس نبی اور ولی کی ذات کے توسل سے دُعا جائز ہے۔دیکھو باب سوئم فقرات ۱۲ تا ۱۵ اباب دوئم۔ فقرات ۱۴ و ۱۵ -

۳۷۔یہ شیخ ابن تیمیہ کی اپنی رائے ہے۔جو بالکل غلط ہے جیساکہ اُوپر بیان کیا جاچکا ہے۔دیکھو ابواب دوئم۔فقرات ۱۴ و ۱۵ و باب سوئم فقرات ۱۲ تا ۱۵۔

۳۸۔۔۔خوب! آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ بعض علما نے نبی صلعم کی ذات کے حوالہ سے دُعا کرنا جائز بتایا ہے۔اب آپ کیوں انکار کرتے ہیں۔نابینا والی حدیث اور استسقاء والی حدیث کا منشا یہی ہے۔آپ نے ان کا مفہوم صحیح نہیں سمجھا ان کو کپھر پڑھیے۔

۳۹۔۔ہم نے استعانت کے جواز کے متعلق اُوپر اعتقادات ۱۲-۱۳-۱۴ میں بحث کی ہے۔اس طرح کی استعانت سے شرک پیدا نہیں ہوتا۔رسول سے رغبت اور محبت کے مسئلے کو باقی مخلوق سے نہیں ملانا چاہیئے۔رسول سے امید۔خوف اور محبت سب جائز ہیں۔دیکھو جواب ۱۵ بالا۔

ملائکہ منکر و نکیر اور جنت کے حور و غلمان کے واسطہ سے دعا شارع علیہ السلام
۴۰ — نے کہیں مشروع نہیں رکھی۔ اس کے مقابل نبی صلعم کے وسیلہ و واسطہ سے دعا شارع
ہے۔ پس دعا بواسطہ ملائکہ پر دعا بواسطہ انبیاء کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔
ان حالات میں تفریق کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دیکھو بابِ دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵ - و
بابِ سوئم فقرات ۱۳ و ۱۵ - و جوابات ۱۷ تا ۲۲ -

۴۱ — ایسا خیال قاطبۃً نادرست نہیں۔ لیکن اس پر زور دینا بھی درست نہیں۔
دعا کرنے والا وسیلہ نبی کا لائے۔ یہ ضروری نہیں کہ نبی ایسے وسیلہ چاہنے والے
کے لئے دعا کریں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر وسیلہ چاہنے والے کی دعا نامقبول ہو
خواہ نبی نے دعا کی ہو یا نہ۔

۴۲ — نادرست ہے جیسا کہ اوپر بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو باب دوم فقرات
۱۴ و ۱۵۔ باب سوئم فقرات ۱۳ تا ۱۵ و جوابات ۱۷ تا ۲۲ -

۴۳ — جب خاتم النبیین نبی تا قیامت ہیں۔ تو آپ اپنے فرائض بحیثیت نبی
قیامت تک ادا کرتے رہیں گے۔ اس لئے قیامت تک آپ سے استشفاع و توسل
ہو سکتا ہے۔ ورنہ اگر صورت ایسی نہ ہو تو آپ معاذ اللہ منصبِ نبوت سے معطل
ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ بابِ اول میں بحث کی جا چکی ہے۔ اس کے متعلق دوسرے
ابواب میں بھی بحث آچکی ہے۔ دیکھو باب دوئم۔ فقرات ۱۴ و ۱۵ - ۱۰ تا ۲۱ - باب
سوئم فقرات ۱۲ تا ۱۵۔ باب اول فقرات ۳۷ تا ۳۹ و جوابات ۲ تا ۸ -

۴۴ — کیوں داخل نہیں کئی نکلنا چاہیے تھی۔ کیا نبی مخلوق نہیں اور کیا اُن کی
اُمت کے افراد مخلوق نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مخلوق مخلوق کے درجوں میں
فرق ہو۔ لیکن بشر اور مخلوق تو سب ہیں۔ آپ اپنی اُمت سے تو دعا چاہیں لیکن اُمت
جس کے کروڑوں افراد تا قیامت آنے والے ہیں۔ آپ سے دعا نہ چاہیں۔ بالخصوص

ایسی صورت میں جب کہ آپ کی رُوحِ اطہر اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کے ساتھ زندہ ہے۔ دیکھو اعتقادات ۲-۳-۴-۵-۶ و ۷ و بالخصوص بابِ اوّل۔

۴۵ — شیخ موصوف ذرا ان باتوں کی تفصیل تو کر دیتے۔ جس کی قدرت خدا کے سوا اور کسی کو نہیں۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ ہر بات میں قدرت خدا تعالیٰ کو ہی حاصل ہے اور وہ ہر بات میں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ استعانت و امداد مشروع سے بھی کام نہ لیا جائے۔ معقولیت سے کوسوں دُور ہے۔ اس مسئلہ پر اعتقادات ۱۲-۱۳-۱۴ میں بھی بحث ہو چکی ہے۔ جناب خاتم النبیین سے تو صحابہ نے کئی بار عرض کی کہ ہمیں بخش دو۔ اور آپ نے اُن کو معاف کر کے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار مانگی۔ نبی ہدایت بھی کر سکتا ہے اور اہلِ صلاحیت کو پاک بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے ایسی استدعا نبی سے ہو سکتی ہے۔ گو کہ پاک کرنا حق تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے لیکن نبی سے ایسی استدعا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ نہ زندگی میں اور نہ اب۔ جیسا کہ باب اول میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ دیکھو جوابات ۲تا۸۔

۴۶ — شیخ جی! آپ کو مغالطہ ہے۔ بڑے بڑے کامل۔ اکمل مومنوں نے آپ کی وفات کے بعد آپ سے تزکیہ کے بارے میں امداد مانگی ہے اور دعا کے لئے خواستگار ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حالات پر اگر آپ اطلاع پانا چاہتے ہیں تو صوفیوں کے تذکرات پڑھیے۔ مثلاً تذکرہ اولیاء نفحات الانس وغیرہ وغیرہ۔ ملائکہ کا پکارنا غیر مشروع ہے کیونکہ کوئی حکم ایسا نصوص میں وارد نہیں ہوا۔ نبی کا بعد وفات پکارنا جائز ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو باب سوئم فقرہ ۱۲۔ اعتقادات ۲-۳-۴-۵-۶-۷۔

۴۷ — شیخ جی۔ خوب! اب آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء و صالحین موت کے بعد زندوں کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ ایک جھگڑا تو ختم ہوا۔ آپ کو پہلے اس میں

کچھ شبہ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ شبہ آپ کا اب رفع ہوا۔ آپ کا یہ فرمانا بھی خوب ہے کہ وہ دعائیں قانونِ قدرت کے ماتحت کرتے ہیں۔ اور کیا کرتے رہیں گے۔ عام اس سے کہ ان سے دعا کی درخواست کی جائے۔ یا نہ۔ وہ قانونِ قدرت کیا ہے جس کے ماتحت آپ وفات کے بعد بھی زندوں کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ اور کرتے رہیں گے۔ یہ کونسا قانون ہے۔ کہ زندگی میں تو سائل کی درخواست آپ پہ مؤثر ہو۔ اور بعد وفات مؤثر نہ ہو۔ کیا اس سے آپ کا یہ مطلب ہے کہ اُن کے لئے اب اوراک سے کوئی حصہ نہیں۔ اگر آپ کا یہی خیال ہے تو یہ خیال بالکل غلط ہے۔ وہ تو آپ سے بھی اور ہم سے بھی زیادہ زندگی کا حظ اُٹھا رہے ہیں۔ جیسا کہ قرآن اور حدیثیں اس بات پہ شاہد ہیں[۵] اگر صورت یہ نہ ہوتی۔ تو رسول اللہ صلعم خود فرما دیتے۔ کہ دیکھو بھئی! یہ دعا (نابینا والی) صرف میری زندگی تک ہے اس کے بعد کوئی ایسی دعا نہ مانگے۔ دیکھنا جو کوئی ایسی دعا میری وفات کے بعد مانگے گا۔ وہ گنہگار ہوگا۔ اور ایسی استدعا اسباب شرک سے ہوگی۔ مگر آپ نے ایسا نہیں فرمایا اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا۔ اب ہم کیا سمجھیں اور کس کا نقطہ نگاہ غلط قرار دیں۔ خدارا آپ ہی انصاف سے کام لیتے اور خود بیان کر دیتے کہ وہ کونسا قانون قدرت ہے۔ جس کے تحت ان کی زندگی میں دعا کی استدعا ہو سکتی تھی۔ اور اب بعد وفات نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ اس بات کے قائل تو نہیں کہ خاتم النبیین کے بعد نبی آتے رہیں گے۔ جو آپ کی اُمت کے آئندہ پیدا ہونے والے افراد کے لئے تزکیہ کی دعا کرتے رہیں گے۔ ذرا سوچ کر اس کا جواب دیجئے۔ یا ان لوگوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیجئے۔ جنہوں نے مختلف مقامات پر نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ دیکھو باب سوئم۔ فقرات ۱۲ تا ۱۵۔ باب دوئم فقرات ۸ تا ۲۲۔ باب اول فقرات ۷، ۳ تا ۹ و جواب ۳ تا ۸

۵۔ دیکھو باب دوئم۔ فقرات ۹۔ ۱۰ و ۱۱۔

۴۸ ـــ اللہ کے اسماء و صفات کے مظاہر کامل نبی اور کامل مومن ہیں۔ جس طرح کی مدد نبیوں سے مانگنی جائز ہے۔ اس طرح کی مانگنے میں کوئی ممانعت نہیں۔ دیکھو اعتقادات ۱۲۔۱۳۔۱۴ و باب سوئم فقرات ۱۲ و ۱۳۔ طبرانی میں ہے۔ کہ جب مدد چاہے تو کہے اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ اور یہ مجرب ہے۔ دیکھو حصن حصین ص ۱۶۳۔ عباد اللہ میں رجالِ غیب۔ ابدال۔ اوتاد۔ واقطاب داخل ہیں۔ ان لوگوں کو پاکیزگی کی وجہ سے طے مکان کی قوت حاصل ہوتی ہے اس پہ بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو بابِ اول نوعیت تزکیہ و ذرائع تزکیہ فقرات ۱ تا ۱۵۔

۴۹ ـــ نادرست ہے۔ اُوپر بحث ہو چکی ہے۔ دیکھو باب دوئم فقرات ۴ و ۱۵۔

۵۰ ـــ خوب! آپ یہ کس طرح کہتے ہیں کہ مردے کسی کی درخواست یا سوال سے متاثر نہیں ہوتے۔ اس سے بڑھ کر کوئی فاسد خیال نہیں ہو سکتا۔ اُوپر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ کہ نبی۔ صدیق۔ شہید اور مومن مر کر بھی زندہ ہوتے ہیں اور جو روحانی قوتیں اور طاقتیں انہوں نے دنیا میں حاصل کی ہوتی ہیں۔ وہ عالم برزخ میں سب ان کے ساتھ رہتی ہیں اور جب صورت یہ ہے تو پھر وہ کس طرح ہمارے سوالوں سے متاثر نہیں ہوتے۔ دیکھو ابواب گذشتہ بالخصوص باب دوئم فقرات ۹۔۱۰۔۱۱۔ باب اول فقرات ۳۴ تا ۳۹ و جواب (۲)

۵۱ ـــ باب اول کے فقرات ۳۶ و ۳۷ میں وہ شواہد بیان کئے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکابر صحابہ نے رسول اللہ صلعم سے برکت درازیٔ عمر۔ صلاح وخیر۔ فلاح دارین کی دعاؤں کی استدعائیں کیں۔ خود رسول اللہ صلعم نے صحابہ سے فرمایا کہ اویس قرنی سے استغفار کرانا۔ یہ بھی مخلوق سے دعا کا سوال ہے۔ اور شیخ ابن تیمیہ کے قول کے مطابق ناجائز قرار دیا جانا چاہیے۔ لیکن ہمارے لئے تو رسول اللہ کا حکم

اور صحابہ کا عمل کافی و وافی ہے۔ اور اسی سے اُمت ہدایت پاتی ہے۔ شیخ ابن تیمیہ ایسی پیچیدہ بات کہہ جاتے ہیں جس سے لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے۔ ایک طرف تو یہ تعلیم دیتے ہیں۔ کہ مخلوق سے سوال و دعا ممنوع ہے اور دوسری طرف خود تسلیم کرتے ہیں کہ تمام مسلمان رسول اللہ صلعم سے دُعا کی درخواست کرتے تھے۔ اب ہم کس بات کو معیارِ عمل سمجھیں۔ کیا ہم اب کسی سے بھی سوال دعا نہ کریں۔ یا تمام صحابہ کی طرح دوسروں سے دعا کی التجا کریں۔ اس کے متعلق قولِ فیصل یہ ہے کہ عمل صحابہ ہمارے لئے رہبری کا صحیح معیار ہے۔ اور اس پر عمل کرکے ہم کبھی بھٹک نہیں سکتے۔ پس رسول اللہ صلعم یا کسی کامل مومن سے سوال دُعا ہر حالت میں جائز ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں مناسب ہے۔ جیسا کہ نابینا کو رسول اللہ صلعم سے دعا کی ضرورت محسوس ہوئی۔

دیکھو جوابات ۱۲۔ ۱۳ و ۱۴۱۔ و ۲ تاہ۔

۵۲۔ شیخ موصوف کو اوتاد۔ اقطاب۔ ابدال۔ نجباء اور غوث وغیرہ ناموں سے بہت چڑ ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ چونکہ وہ خود ان میں داخل نہیں اس لئے وہ کسی اور کو بھی کسی اختصاص کے ساتھ دیکھنا نہیں چاہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ نام رسول اللہ صلعم سے مروی نہیں۔ نہ تو صحیح اسناد سے اور نہ ضعیف محتمل سے۔ سوائے لفظ ابدال کے جن کی نسبت ایک حدیث منقطع حضرت علی سے مروی ہے۔ یہ قول ان کا بالکل غلط ہے۔ اسد الغابہ تذکرہ حمزہ بن مالک میں ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ ہمدان کا ایک وفد جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں حمزہ بن مالک بن ذی مشار بھی تھے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ہمدان کیا اچھا قبیلہ ہے۔ کس قدر وہ جلد دین کی مدد پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ اور تکالیف پر انہیں کیا صبر آگیا ہے۔ ان میں ابدال اور اسلام کے اوتاد ہیں[1]۔ حضرت اُم سلمہ کی نبی صلعم سے روایت ہے کہ ایک خلیفہ کی وفات پر

[1] اسد الغابہ تذکرہ حمزہ بن مالک بن ذی مشار۔

اختلاف ہوگا اور ایک شخص مدینہ سے نکلیگا اور مکہ کی طرف دوڑے گا۔ اس کے پاس مکہ کے لوگ آئیں گے اور اس کو باہر بھیجیں گے۔ مگر وہ خود پسند نہ کرے گا۔ اور اس سے لوگ رکن اور مقام کے درمیان بیعت کریں گے۔ شام کی طرف سے ایک لشکر اس کی طرف بھیجا جائے گا۔ مگر وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان صحرا کی زمین میں دھنس جائے گا۔ جب لوگ یہ کیفیت دیکھیں گے تو اس کے پاس شام کے ابدال اور عراق کے عصائب آئیں گے۔ اور اس سے بیعت کریں گے[۱] الخ۔ اس حدیث کی تخریج ابوداوٗد نے کی ہے۔ مجمع البحار میں ہے کہ عصائب جمع عصاب کی ہے۔ اور یہ لوگوں کی ایک جماعت ہے۔ دس سے چالیس تک عُصبۃ القوم سے خیار قوم مراد ہیں۔ عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ ابدال اس اُمت میں ۳۰ آدمی ہیں۔ ان کے قلوب ابراہیم خلیل الرحمان کے قلب پر ہیں۔ جب ان میں سے کوئی مرتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرا رکھ دیتا ہے۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ ابدال چالیس مرد اور چالیس عورتیں ہیں جب ان میں سے کوئی مرد مرتا ہے تو اس کی جگہ مرد رکھا جاتا ہے۔ اور جب ان میں سے کوئی عورت مرتی ہے تو اس کی جگہ عورت رکھ دی جاتی ہے۔ یہ حدیث فردوس دیلمی میں ہے[۲]۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ میری اُمت کے بہترین لوگ ہر دن میں پانچسو ہوتے ہیں اور ابدال چالیس نہ ہی تو پانچسو میں کمی واقع ہوتی ہے اور نہ چالیس میں الخ۔ یہ حدیث حلیۃ الاولیاء میں موجود ہے[۳]۔ عبادہ بن صامت سے یہ روایت ہے کہ ابدال میری اُمت میں تیس ہیں۔ انہیں سے دنیا قائم ہے۔ انہیں کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور انہیں کی وجہ سے مدد حاصل ہوتی ہے یہ حدیث طبرانی کبیر میں موجود ہے[۴]۔ حضرت انس سے طبرانی اوسط کی یہ روایت ہے کہ زمین چالیس آدمیوں سے خالی نہیں رہتی۔ جو خلیل الرحمان کی طرح ہوتے ہیں[۵]۔

---

[۱] مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ [۲] منتخب جلد ۵ ص ۳۲۲۔ لحوق فی القطب والابدال [۳] منتخب جلد ۵ [۴] لحوق فی القطب والابدال ص ۳۳۲۔

انہیں کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ انہیں کی وجہ سے مدد حاصل ہوتی ہے۔ جب ان میں سے کوئی مرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا رکھ دیتا ہے[۱]۔ ابوہریرہ سے روایت ہے کہ زمین چالیس آدمیوں سے خالی نہیں رہتی۔ جو مثل خلیل الرحمان کے ہوتے ہیں۔ انہی کی وجہ سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔ انہیں کی وجہ سے رزق ملتا ہے۔ اور انہیں کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ یہ حدیث تاریخ ابن حبان میں موجود ہے[۲]۔ ابوسعید سے مروی ہے کہ میری اُمت کے ابدال عملوں کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہونگے ہاں ہونگے اللہ کی رحمت نفسوں کی سخاوت سینے کی سلامتی اور اس رحمت کی وجہ سے جو ان کو تمام مسلمانوں کے بارے میں ہوگی۔ یہ حدیث شعب الایمان بیہقی میں ہے[۳]۔ معاذ سے روایت ہے کہ جس میں یہ تین صفتیں ہوں وہ ابدال سے ہے۔ قضا پر رضا۔ محارم اللہ پر صبر۔ اللہ عزوجل کی ذات کے لئے غصہ۔ یہ حدیث فردوس دیلمی میں ہے[۴]۔ ابن عساکر میں انس کی روایت سے ہے کہ میری اُمت کے ستون عصبۂ یمن اور ابدال شام ہیں۔ اور وہ چالیس آدمی ہیں۔ جب ان میں سے کوئی ہلاک ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا آدمی رکھ دیتا ہے۔ نہ تو وہ ایک دوسرے کو مارنے والے ہیں نہ ہلاک کرنے والے اور نہ جنگ وجدل کرنے والے ہیں۔ جس بات کو وہ پہنچے ہیں کثرت صوم وصلوٰۃ سے نہیں پہنچے ہیں۔ بلکہ سخاوت۔ سلامتی قلب اور مسلمانوں کے حق میں خیر اندیشی کی بدولت پہنچے ہیں۔ میری اُمت پانچ طبقوں پر ہو جائے گی۔ میں اور جو میرے ساتھ ہیں چالیس سال تک اہل ایمان وعلم۔ ان کے بعد اسی سال تک اہل بر وتقویٰ۔ ان کے بعد ایکسو بیس سال تک قطع رحم کرنے والے اور پھر جانے والے اور اُن کے بعد دنیا کے ختم ہونے تک قتل پر قتل۔ نجات۔ نجات[۵]۔ کامل ابی عدی میں بھی ایک حدیث ہے۔ جس میں بجائے

---

[۱] منتخب جلد ۵۔ لحوق فی القطب والابدال۔ ص ۳۳۲
[۲] تا [۵] منتخب جلد ۵۔ ص ۳۳۲۔

ابدال کے بدلاء کا لفظ آیا ہے[۱]۔ اب آپ خود غور کریں کہ شیخ ابنِ تیمیہ کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ حالانکہ یہاں کتنے ہی صحابہ کے اسمائے گرامی درج کئے گئے ہیں۔ جن سے یہ حدیث مروی ہے حضرت اُم سلمہ۔ عبادہ بن صامت۔ ابوہریرہ۔ انس۔ ابنِ عمر اور معاذ سے یہ حدیث مروی ہے ان احادیث میں سے ابوداؤد کی حدیث خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس حدیث کی حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں تخریج کی ہے۔ اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث ابدال مسند احمد میں بروایت حضرت علی مذکور ہے۔ جس کا شیخ موصوف خود ذکر کرتے ہیں۔ وہ حدیث ضعیف ہو تو ہو۔ مگر ابوداؤد والی حدیث قابلِ استناد ہے۔ ان حدیثوں میں ابدال عصائب و اوتاد کے نام تو صاف مذکور ہیں۔ اور یہ نام نبی صلعم سے مروی ہیں۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اقطاب و اقطاب و نجباء کی تعداد کے متعلق کوئی مستند حدیث موجود نہیں۔ ابدال کی تعداد کسی حدیث میں چالیس بتائی گئی ہے اور کسی میں تیس بہرحال یہ تو ضرور ہے کہ ابدال کی ایک مقررہ تعداد ہر وقت دُنیا میں موجود رہتی ہے۔ خواہ وہ چالیس ہو۔ یا کم و بیش۔ اوتاد کا وجود بھی اسد الغابہ کی روایت سے پایا جاتا ہے۔ چار اکناف کے چار اوتاد جو ابدال سے چُنے جاتے ہیں ہو سکتے ہیں۔ ان چاروں سے ایک کامل ترین فرد ہو سکتا ہے۔ آپ اس کو غوث کہیں۔ قطب کہیں یا کچھ اور۔ حقیقت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ غوث کا لفظ حدیثوں میں وارد نہیں ہوا ہے اسی طرح نجبا کی اصطلاح بھی حدیثوں میں موجود نہیں۔ بہرحال اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ دُنیا میں ایک رُوحانی نظام موجود ہے جس نظام کے درخشندہ ستارے ابدال اوتاد۔ عصائب۔ اور اقطاب ہیں۔

[۱] منتخب جلد ۶۔ ص ۳۳۲۔

۵۳ — ابوداؤد کی روایت بالا میں صاف طور پر ابدالِ شام اور عصائبِ عراق کا ذکر موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابدال کو شام کے ساتھ اور عصائب کو عراق کے ساتھ ایک طرح کا اختصاص ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ دنیا کا روحانی نظام ایک خاص تعدادِ اولیاء سے وابستہ ہے۔ کوئی یہ تعداد تین سو اور کوئی پانچ سو بیان کرتا ہے۔ بہرحال تعداد کے معیّن ہونے میں کوئی حرج نہیں لیکن تعیینِ تعداد کے متعلق کوئی حدیث صحیحین کی موجود نہیں۔ جو حدیثیں تعداد کے متعلق موجود ہیں وہ مسند احمد۔ حلیۃ الاولیاء۔ طبرانی کبیر۔ تاریخ ابن حبان۔ فردوس دیلمی۔ طبرانی اوسط وغیرہ کی ہیں۔ سابقون مقربون کی تعداد بے شک مختلف زمانوں میں مختلف ہو سکتی ہے۔ لیکن ان میں تین سو یا پانچ سو افراد کے معیّن ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر زمانے میں کامل لوگوں کی تعداد اسی قدر ہے۔ کامل لوگوں کی تعداد کسی کسی زمانے میں پانسو سے بھی زیادہ ہوگی۔ مگر اس نظامِ رُوحانی کے چلانے کے لئے جس قدر آدمی درکار ہیں اسی قدر چُن لئے جاتے ہیں۔ باقی اسی طرح رہتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہر وقت کامل ولیوں کی تعداد اسی قدر ہوتی ہے بالکل غلط ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک وقت میں غوث یا قطب الاقطاب کے مرتبے کے آدمی دو چار پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہی اس رُوحانی نظام کے چلانے کے لئے لیا جاتا ہے۔ باقی نہیں لئے جاتے پس ظاہر ہے کہ ایک وقت کامل مومنوں اور ولیوں کی تعداد کم وبیش ضرور ہوتی ہے۔ یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ تمام سابقون مقربون تمام زمانوں میں ایک مقام پہ ہوتے ہیں۔ حدیثوں میں ابدالوں کو اکثر شام کی طرف اور عصائب کو عراق کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ شام کی تعریف حدیثوں میں بہت آئی ہے۔ ابوداؤد اور مسند احمد میں ہے کہ تم شام کو لازم

پکڑنا۔ کیونکہ وہ اللہ کی چنی ہوئی جگہ ہے۔ اللہ کے نیک بندے اس کی طرف چلے جائیں گے[۱] ترمذی۔ مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ہے کہ شام کے لئے خوشخبری ہے۔ کیونکہ رحمت کے فرشتے اس پر اپنے پر پھیلائے رہتے ہیں[۲] ترمذی میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ عنقریب فتنے ہوں گے۔ عرض کی گئی کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا شام کو لازم پکڑنا[۳] ان حدیثوں کا مآل صرف اس قدر ہے۔ کہ نیک بندوں کی زیادہ تعداد شام کی طرف چلی جاتی ہے۔ اس سے کون یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ تمام مقربون سابقون تمام زمانوں میں ایک ہی مقام میں موجود رہتے ہیں۔ اگر کسی نے ایسا کہا ہے تو یہ غلط فہمی پہ مبنی ہے۔ ابدال کا ٹھکانا اگرچہ اکثر حال میں شام میں ہوتا ہے۔ لیکن وہ تو اپنے اپنے علاقوں میں دورہ کرتے رہتے ہیں۔ اور دورہ کر کے پھر اپنے مقام پر واپس آجاتے ہیں۔

۵۴ — اس کا جواب اُوپر کے جوابوں میں آچکا ہے۔ یہ تعداد جو معین کی جاتی ہے۔ وہ صرف رُوحانی نظام چلانے والوں کی ہے۔ ایسے کامل ولیوں کی تعداد مختلف زمانوں میں مختلف ہوتی ہے۔ صحابہ اور تابعین کا مرتبہ ابدالوں سے بہت بلند ہے۔ ان کے لئے ابدالیت کوئی امتیازی بات نہیں صحابہ سب قسم کی ولایتوں سے بڑھ کر تھے۔ حدیثوں میں یہ کسی جگہ صاف طور درج نہیں۔ کہ زمانہ نبوی میں بھی سارے ابدال و اوتاد شام میں رہتے تھے۔ یہ کہیں اگر رہتے بھی تھے۔ جب بھی صحابہ صحابہ ہی تھے اور ان سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ اور مقربین رسول سے تھے۔

۵۵ — غوث اور قطب کی اصطلاحات کے متعلق شیخ ابنِ تیمیہ کو بہت مغالطہ ہوا ہے۔ اور وہ اس لئے کہ آپ کمالاتِ رُوحانی سے محض نابلد ہیں۔ اور خود نہ ابدالوں سے ہیں۔ نہ عصائب سے نہ نجباء سے۔ اگر وہ ان خاص الخاص لوگوں

---

[۱] [۲] [۳] منتخب جلد ۵۔ ص ۲۶۳۔

سے ہوتے - تو اُن کے ذمہ بھی کوئی رُوحانی کام ہوتا - اور ان کو معلوم ہو جاتا کہ قطبِ مدار کیا ہوتا ہے اور غوث کیا - اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ نصوص کی راہ سے ان حقائق پر روشنی ڈالیں تاکہ التباس رفع ہو - اللہ تعالےٰ کا ایک اسم اسمِ ذات ہے - اور باقی اسماء اسمائے صفات و افعال

اسمِ ذات وہ اسم ہے جس سے ذات پر دلالت مقصود ہے - اسمائے صفات وہ جن سے صفات کا اور اسمائے افعال وہ جن سے افعال کا اظہور ہوتا ہے - اسمائے صفات یہ ہیں :-

رحمٰن - رحیم - کریم - غفور - غفار - حلیم - رؤف - ودود - صبور - بر - خبیر - علیم - نصیر - سمیع - شہید - حکیم - مخفی - حی - شکور - قادر - قوی - مقتدر - قہار - رب - عزیز - جبار - متکبر - علی - عظیم - کبیر - خلیل - مجید - ماجد - متعالی - غنی - ذوالجلال والاکرام رقیب - باقی - عفو - والی - واجد - قیوم - ولی - متین -

اسمائے افعال — معید - محی - مجیب - تواب - مغنی - جامع - مقسط - منتقم - مانع - ضار - ہادی - نافع - رشید - لطیف - عدل - مذل - حکم - رافع - معز - حافظ - باسط - قابض - فتاح - رزاق - وہاب - مبدی - وکیل - مجیب - باعث - واسع - حسیب - حفیظ - مقیت - خالق - مصور - باری - بدیع - مقدم - مؤخر -

اسمائے ذات :- ملک الملک - قدوس - سلام - مومن - مھیمن - ظاہر - باطن - اول - آخر - حق مبین - واحد - صمد - نور - ... - ملک - اللہ[1] اسم ذات جامع[2]

اب سوال یہ ہے کہ اسم ذات جامع یعنی اسم اعظم کونسا ہے - رسول اللہ صلعم نے

---

[1] ترمذی وغیرہ - منتخب جلد اول - ص ۳۳۵ - [2] ترمذی وغیرہ منتخب جلد اول ص ۳۳۵

الباب الثانی فی اسماء اللہ تعالیٰ - مشکوٰۃ کتاب اسمائے اللہ تعالےٰ

نے صاف طور پر نہیں بتایا کہ ایسا اسم کونسا ہے۔ آپ نے اس اسم کا مجمل ذکر فرمایا ہے
اور اس میں یہ حکمت ہے کہ یہ اسرار شریعت سے ہے۔ اور اسرار شریعت کا کھلم کھلا
بیان کر دینا مناسب نہیں۔ اور نہ ایسا کرنے میں کوئی فائدہ ہے۔ جیسا کہ ابوہریرہ
کی حدیث میں ہے۔ کہ میں نے دو قسم کا علم رسول اللہ صلعم سے حاصل کیا ہے۔
ایک تو میں نے تم میں پھیلا دیا ہے۔ مگر دوسرا علم اگر میں ظاہر کروں تو میری
گردن پر چھری چل جائے [۱] اس علم باطن میں اسم اعظم بھی داخل ہے۔ اور اس اسم
اعظم کے ساتھ بہت سے کمالات نبوت و ولائت وابستہ ہیں۔ جیسا کہ ہم نے
کتاب البطون میں ظاہر کیا ہے۔ اس اسم اعظم کا پتہ معرفت وحقیقت کے ماہران
سے چل سکتا ہے۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ اور مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ
صلعم نے فرمایا کہ اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔ والھکم اللہ واحد لا الہ
الا اللہ ھو الرحمن الرحیم اور خاتمہ آل عمران۔ الم اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم
ابن ماجہ مستدرک حاکم اور طبرانی میں ہے کہ اللہ کا اسم اعظم وہ ہے کہ جب اس کے
ذریعے سے دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے۔ وہ قرآن کی تین سورتوں میں
ہے۔ بقرہ۔ آل عمران اور طٰہٰ۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جس اسم میں ذرا بھی
شائبہ صفت یا فعل کا نہ پایا جائے۔ یا بمقابلہ دوسرے اسموں کے اس میں بہت
ہی کم پایا جائے۔ تو وہ اسم جامع ذات۔ اور اسم اعظم ہے۔ اسماء صفات اور
اسماء افعال تو اس قابل نہیں کہ وہ اسماء ذات سے اس بات میں مقابلہ کر سکیں۔
اسماء ذات میں سے سوائے اللہ کے باقی جس قدر بھی ہیں۔ ان سب میں کچھ
نہ کچھ شائبہ صفت کا پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ان اسماء کے ماخذ پر غور کرنے سے واضح
ہوگا۔ صرف ایک اسم اللہ کا ہے۔ جو صفت اور فعل دونوں سے بالاتر ہے۔ اور یہی

[۱] مشکوٰۃ کتاب العلم بخاری ۲۳ منتخب جلد اول ص ۳۴۵۔ الباب الثانی فی اسماء اللہ تعالیٰ

اسم اعظم یا اسم جامع ذات ہوگا۔ اور یہ اسم ان آیات میں بھی موجود ہیں۔ جن کا حوالہ
اوپر کی حدیثوں میں آیا ہے۔ ہر اسم کے اپنے اپنے مظاہر ہیں۔ اسم اللہ چونکہ
تمام اسماء سے زیادہ جامع اور بڑا ہے۔ اس لئے اس کے مظاہر بھی جامع
اور اعظم ہیں۔ بلکہ اصول کے مطابق اللہ کا اسم تمام اسموں پہ حاوی ہے۔ اور تمام
اسماء اسی کے تفصیلی شیون و اعتبارات ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسم اللہ
ہی باقی تمام اسماء میں متجلی ہے۔ پس جس طرح اسم اللہ باقی اسماء پہ مقدم اور
ان میں متجلی ہے۔ اسی طرح اسم اللہ کا مظہر بھی باقی اسماء کے مظاہر پہ مقدم
اور ان میں متجلی ہے۔ پس اسم اللہ کے مظہر کا ظہور باقی اسماء کے مظاہر میں ہے
جس طرح اسم اللہ جامع ہے۔ اسی طرح اس کا مظہر بھی جامع ہے۔ جس طرح
اسم اللہ تمام اسماء پہ مشتمل اور حاوی ہے۔ اسی طرح اسم اللہ کا مظہر بھی باقی
اسماء کے مظاہر پہ مشتمل اور حاوی ہے۔ پس ہر ایک اسم کا مظہر اپنے وجود کے
لئے اسم اللہ کے مظہر کا رہین منت ہے۔ اور اسم اللہ کے مظہر کے بغیر اس کا
وجود قائم نہیں ہوتا۔ یا یوں کہیے کہ تمام اسماء صفات و افعال وغیرہ اسم جامع
اللہ کی مختلف صفتیں ہیں۔ اس لئے اصل کا مظہر اصل کی صفات کے مظاہر
پہ مقدم اور مشتمل ہے۔ دوسرا سوال اب یہ ہے۔ کہ تمام جہانوں میں اسم اللہ کا
مظہر کیا ہے۔ اس کا مظہر کامل وہی ہو سکتا ہے۔ جو مستخلف عنہ کے خلیفہ ہونے
کا استحقاق رکھتا ہو۔ اور وہ انسان ہے۔ خلیفہ وہی ہو سکتا ہے۔ جس میں مستخلف عنہ
کے نائب مناب اور قائمقام ہونے کی صلاحیت موجود ہو۔ بلکہ خلیفہ وہ ہونا چاہیئے
جس کے اندر مستخلف عنہ کی روح کارفرما ہو۔ "ونفخت فیہ من روحی" سے اسی کی
طرف اشارہ ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے "ولقد کرمنا بنی آدم"[1]۔ وہ انسان

[1] ۱۷: ۷۰۔

کامل کون ہے۔ جو اسم جامع و اعظم کا مظہر ہے۔ وہ حقیقت محمدی ہے۔ کیونکہ تمام انسانوں میں وہی افضل و اعلیٰ ہے جیساکہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی سے واضح ہوتا ہے۔ خاتم النبیین آپ کا لقب۔ مقام محمود یعنی مقام شفاعت آپ کا مقام ہے [۱] قیامت کے دن آپ انبیاء کے خطیب اور ان کے امام ہونگے [۲] آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا [۳] اور آپ ہی سب سے پہلے قبر سے باہر تشریف لائیں گے [۴] آپ سب نبیوں سے افضل ہیں۔ اور آپ کو پانچ چیزوں سے ان پر فضیلت دی گئی ہے۔ جیساکہ صحیحین کی روایت میں ہے [۵]۔ اس لئے آپ ہی اللہ کے اسم اعظم کے مظہر اکمل و اتم ہیں۔ اسماء الٰہی ارباب ہیں اور اسم اللہ رب الارباب یعنی اللہ کے تمام اسماء کو جو کچھ کمال حاصل ہے وہ اسم اللہ کے کمال کے تابع ہیں۔ اور اسی کے ذریعے سے ہی حاصل ہوا ہے۔ اسماء الٰہی کے مظاہر اکمل انبیاء و رسل کی باطنی حقیقت ہیں اور اسم اللہ کا مظہر خاتم النبیین کی باطنی حقیقت ہے۔ پس جو کمال دیگر اسماء کے مظاہر کو پہنچتا ہے۔ وہ اسی اسم ذات جامع کے مظہر کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا ہے۔ کہ میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم کا روح اور جسم جدا جدا تھے [۶] اس حدیث سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اسماء الٰہی کے کامل ترین مظاہر کو فیض و کمال حقیقتِ محمدی سے پہنچتا ہے۔ تو پھر دیگر مظاہر اسماء کو جو درجے میں حقائق انبیاء سے فروتر ہیں فیض و کمال حقیقتِ محمدی سے بطریقِ اولیٰ پہنچنا چاہیئے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جو علم اور عین میں اسمائے باری تعالیٰ کے تمام مظاہر ہیں۔ وہ ظہور کے لحاظ سے حقیقت نبوی کے تابع ہیں۔ اور اسی سے اپنی ہستی حاصل کرتے ہیں۔ اس مقام میں وہ حدیث صادق آتی ہے جس کو بعض

---

[۱] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین۔ [۲] [۳] [۴] [۵] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین۔
[۶] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین۔

ضعیف ظاہر کرتے ہیں۔ اوّل ما خلق اللہ نوری ثم خلق الخلق من نوری
یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہو تو ہو۔ لیکن معنی کے لحاظ سے بالکل درست
معلوم ہوتی ہے۔ اسی حقیقت محمدی کو بعض عقل کل سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس تمام
حقائق علم اور عین کے اسی اسم اللہ کے مظہر اتم کی تفصیل ہیں۔ دوسرے لفظوں
میں یہ کہنا چاہیئے کہ حقیقت محمدی اسم اللہ کی صورت ظہوری ہے۔ اور باقی حقائق
عالم جن میں نبیوں اور فرشتوں کی حقیقتیں بھی داخل ہیں۔ اس صورت کے
مظاہر ہیں۔ پس حقیقت محمدی اسم اللہ کے مظہر اتم ہونے کی حیثیت سے دیگر اسماء
کے مظاہر کی پرورش اس اسم اعظم سے کراتی ہے۔ اور اسی میں اس کی خلافت کا
راز مضمر ہے۔ اگر اسم ذات اللہ کا مظہر اور اس کا ظہور نہ ہوتا۔ تو دیگر اسماء کے مظاہر
کس طرح موجود ہو سکتے تھے۔ اور اگر اب بھی وہ مظہر اتم اللہ کا کتم عدم میں چھپ
جائے۔ تو پھر تمام مظاہر اسماء معدوم اور مفقود ہو جائیں گے۔ اسی لئے کہا جاتا
ہے کہ حقیقتِ محمدیہ رب الارباب کی خلیفہ اور تمام کائناتِ عالم کے قیام کا
باعث ہے۔ اسی حقیقت کو صوفیا کے عرف میں مرکز یا قطب مدار کہتے ہیں۔
اور اسی پر دنیا کے قیام کا انحصار ہوتا ہے حق تعالیٰ رب الارباب مالک الملک اور
احکم الحاکمین ہیں۔ اور حضرت محمد فداہ روحی اس رب الارباب اس مالک الملک کے
کامل ظل ہیں۔ یہ جہت حقیقت محمدی کی ہے۔ بشریت کی نہیں۔ کائنات عالم کی
مربوبیت۔ ان کی زندگی۔ ان کا قیام اسی اسم اللہ اور اس کے مظہر اتم یعنی حضرت
محمدؐ کی حقیقت معنوی سے وابستہ ہے۔ اس مقام میں لولاک لما خلقت الافلاک
کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ دنیا کو جو کچھ بھی پہنچتا ہے۔ وہ اس مظہر اتم کے
واسطہ سے پہنچتا ہے۔ پس حقیقی معنی میں دنیا کے قیام کا باعث خود ذات نبوی ہے
اور وہی اپنی زندگی میں بالاصالت مرکز مدار ہے۔ آپ کے آنے سے پہلے انبیا

سابقین صحیح معنی میں اپنے اپنے وقت میں مرکز مدار تھے۔ مرکز مدار وہ ہوتا ہے جس کی وساطت سے کائناتِ عالم رب الارباب کی نعمتوں سے فیض یاب ہو۔ اس حیثیت سے جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ انما انا قاسم واللہ یعطی[۱]۔ اس قاسمیت میں اسی حقیقت محمدیہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو اسم اعظم اللہ کی مظہر اتم واکمل ہے۔ اور اسی لحاظ سے وہ قاسم ہیں ان عطایات کے جو اسم اللہ یعنی رب الارباب سے صادر ہوتی ہیں۔ خاتم النبیین کی حین حیات کے بعد چونکہ کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ مرتبہ مرکز مدار کی خلافت و نیابت کا امت محمدیہ کے اکمل و کامل ترین اولیا کے لئے مخصوص ہے۔ اس نائب مناب کو اصطلاح صوفیا میں قطب مدار یا قطب الاقطاب کہتے ہیں۔ اس قطب سے کوئی زمانہ کبھی خالی نہیں ہوتا۔ اگر ایک فوت ہو جائے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ جیسا کہ دنیا کے نظام حکومت کا طریقہ ہے۔ اگر ایک ملک کا بادشاہ ایک وقت مرتا ہے۔ تو اس کے مرنے کے ساتھ ہی دوسرے کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کے عطیات دنیا میں ہر لحظہ۔ ہر وقت جاری ہیں۔ اس لئے ان عطیات کے قاسم کا فعل بھی ہر وقت جاری ہے۔ اور یہ کام قاسمیت کا خاتم النبیین خود کرتے ہیں۔ اور اس کا اجراء اپنے نائب سے کراتے ہیں۔ جو ہر وقت دنیا میں موجود رہتا ہے۔ اس نائب مناب کو جسے حقیقت محمدی سے ایک خاص تعلق ہوتا ہے۔ غوث وقت بھی کہتے ہیں۔ اسی قطب مدار۔ یا غوث وقت کے ماتحت ایک تعداد کامل ولیوں کی ہوتی ہے۔ جو اس کا دنیا کی حفاظت میں ہاتھ بٹاتی ہے۔ اور اس کے احکام کی تعمیل کرتی رہتی ہے اس جماعت کو ابدال و عصائب و نجباء کہتے ہیں۔ انہیں لوگوں کی ہستی سے دنیا کا قیام وابستہ ہے۔ جیسا کہ حدیثوں میں ہے۔

---

[۱] مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ صحیحین۔

ان حدیثوں کو اعتقاد (۵۲) کے جواب میں درج کر دیا گیا ہے۔ سنن ابوداؤد میں
ان ابدال وعصائب کا ذکر موجود ہے۔ طبرانی، مسند احمد میں صاف طور لکھا ہے
کہ ابدالوں سے دنیا کا قیام ہے۔ اور انہی کی وجہ سے اہل زمین کو مدد پہنچتی ہے
اور ان پر بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ انہیں حدیثوں میں صاف طور لکھا ہے۔
کہ ان ابدالوں کی ایک معین تعداد سے زمین کبھی خالی نہیں ہوتی۔ ان کی ایک معین
تعداد دنیا میں ہر وقت موجود رہتی ہے۔ ایک حدیث کے رُو سے یہ تعداد چالیس
ہے۔ اور دوسری کے رُو سے تیس۔ اللہ تعالیٰ معطی علی الاطلاق ہے۔ اور
خاتم النبیین قاسم۔ جو عطایات۔ جو عنایات حق تعالیٰ کے حضور سے صادر ہوتی
ہیں۔ وہ ایوانِ رسالت میں پہنچتی ہیں۔ اور پھر وہاں سے تقسیم ہوتی ہیں۔ جیسا کہ
صحیحین کی مشہور حدیث کا منشا ہے[1] خاتم النبیین ان عطیات کو کاملین امت
کے ذریعے تقسیم کراتے ہیں۔ قارئین کرام کو معلوم رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قادر
مطلق علیم مطلق۔ مرید مطلق معطی مطلق ہے۔ باوصف اس کے اس نے ہر کام
کے لئے فرشتے اور مؤکل متعین کر رکھے ہیں۔ جن کے ذریعے تمام کام کائنات
عالم کے سرانجام پاتے ہیں۔ ان فرشتوں کے سردار جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ اور
نبیوں کے سردار حضرت خاتم النبیین۔ حق تعالیٰ کی قدرت تامہ اور علم وسیع ہے
وہ خود اپنی تعریف میں فرماتا ہے اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ نہیں کوئی جانتا
ان کو مگر وہی۔ اور وہ جانتا ہے۔ جو کچھ زمین اور سمندر میں ہے۔ اور پتہ نہیں گرتا
مگر کہ وہ اسے جانتا ہے[2]۔ بلکہ کوئی ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتا
سورۂ یونس میں ہے۔ کہ مثقال کے برابر بھی کوئی چیز تیرے پروردگار
سے اوجھل نہیں۔ نہ زمین میں اور نہ آسمان میں[3] اللہ تعالیٰ کی نظر سے ایک

[1] حدیث اوپر مذکور ہوئی [2] وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو الخ انعام ۶-۵۹
[3] وما یعزب عن ربک من مثقال ذرة فی الارض الخ یونس ۱۰-۶۱

ذرّہ بھی اوجھل نہیں - تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو مؤکلوں کے ذریعے کائناتِ عالم کا کام چلانے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی تھی - اس بات کو خدا بہتر جانتا ہے۔ لیکن یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ فرشتوں کے ذریعے کائناتِ عالم کا کام چلایا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کی متعدد آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں خلیفہ کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ وہ خود سب کام سرانجام دے سکتا ہے۔ اس بات کو بھی خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر اس کا فرمان ہے کہ اس نے انسان کامل کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا۔ اور جس طرح فرشتوں میں جبرائیل کا مرتبہ سب سے زیادہ کیا۔ اس طرح نبیوں اور کامل مومنوں میں خاتم النبیین کا مرتبہ سب سے زیادہ کیا۔ جس طرح جبرائیل کی سرداری میں تمام فرشتے کارفرما ہیں۔ اسی طرح خاتم النبیین کی سرداری میں انبیاء اور اولیاء کارفرما ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ دُنیا جہان کا کام چلاتا ہے - اسی طرح رسول اللہ نبیوں اور ولیوں کے ذریعہ رُوحانی نظام کا کام چلا رہے ہیں۔ اس لئے مصطفیٰ کی عنایات کامل ترین انسان کے دیوان میں پہنچتی ہیں۔ اور پھر وہاں سے کامل ولیوں کے ذریعہ لوگوں میں بٹتی ہیں۔ یہ ایک ایسا نظام کائنات ہے جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔ مگر اس سے کسی طرح بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے دنیا کا سارا کارخانہ چل رہا ہے۔ اس لحاظ سے دنیا میں تین سو یا پانچ سو کامل ولی مختلف مقامات پہ متعین ہیں۔ پھر اُن میں سے تیس یا چالیس ہیں۔ جن کو ابدال کہتے ہیں۔ پھر اُن میں سے سات اقلیموں کے سات ہیں۔ اور چار اکنافِ عالم کے چار ہیں۔ پھر ان چاروں میں سے ایک افضل ترین ہے۔ جیسا کہ تمام فرشتوں میں سے چار فرشتے اعلیٰ اور پھر اُن میں سے ایک مقرب ترین ہے۔ اور وہ جبرائیل

ہے۔ جب تک یہ کامل لوگ دنیا میں موجود ہیں۔ اس وقت تک قیامت نہ آئیگی
کیونکہ دنیا انہیں کے وجود سے قائم ہے۔ جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔ دنیا
بھی اسی وقت فنا ہوگی۔ جب کہ یہ لوگ دنیا سے ناپید ہو جائیں گے صحیح مسلم
میں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دنیا میں کوئی اللہ
اللہ کہنے والا موجود ہوگا[1] یہی کامل لوگ صحیح معنی میں اللہ اللہ کہنے والے
ہیں۔ اور اس لئے ان کی موجودگی میں قیامت قائم نہیں ہوسکے گی۔ پس دنیا
کے قیام کے لئے ان کا وجود ازبس ضروری ہے۔ صحیح مسلم کی روایت سے بھی
اشارۃً اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ دنیا کا قیام ان نیک بندوں اور ان
اللہ والوں کی وجہ سے ہے۔ قطب چکی کی وہ لکڑی ہوتی ہے۔ جس کے گرد
چکی کے اوپر کا پاٹ پھرتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے قطب مدار وہ مرد کامل
ہے جس پر دنیا کے قیام اور بقاؤ کا دارومدار ہے۔ اس کو قطب کہو۔ غوث
کہو۔ قائم مقام خلیفہ ہو۔ بات ایک ہی ہے۔ غوث کا لفظ اس شخص پر
اطلاق پذیر ہوتا ہے جس سے مدد طلب کی جائے۔ انسان کامل سے مدد
طلب کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ اس کی نسبت مفصل بحث کتاب ہذا کے باب
سوئم فقرات ۱۲-۱۳-۱۴ اور باب چہارم کے اعتقادات ۱۲-۱۳-۱۴ میں
کی گئی ہے۔ مدد اور اعانت مشروعہ غیر اللہ سے اور بالخصوص کامل ولیوں سے
بھی مانگی جاسکتی ہے۔ اور ایسی مدد لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ یہ کاملین
اوروں کے لئے وسیلہ ہیں۔ اور ان کا وسیلہ انجاح حوائج میں لیا جاسکتا ہے"
جیسا کہ اس کی نسبت مفصل ذکر باب دوئم میں بھی کیا گیا ہے۔ وابتغوا الیہ الوسیلہ
میں۔ ان کامل مومنوں سے استمداد و استعانت مشروع بھی داخل ہے۔ بیشک

[1] مشکوٰۃ۔ باب لا تقوم الساعۃ الا علی شرار الناس۔ ص ۴۸۰۔

دعا مانگنے والا سائل ہے۔ اور بے شک قرآن میں یہ ہے۔ واذا سئالک عبادی عنی فانی قریب اُجیب دعوۃ الداع اذا دعانِ۔ لیکن اس سے توسل شرع کا امتناع ثابت نہیں ہوتا۔ اس آیت میں ایک لفظ عبد کا جو بہت پر معنی ہے استعمال کیا گیا ہے۔ عبد صحیح معنی میں نبیوں اور کامل مومنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کی متعدد آیات سے مترشح ہوتا ہے۔ سُبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً (بنی اسرائیل) ان ھوالا عبد انعمنا علیہ (زخرف)[۱] پس اگر کوئی صحیح معنی میں عبد اللہ بن کر دعا کرے تو اس کی دُعا ضرور قبول ہو گی۔ لیکن اگر وہ صحیح معنی میں خود عبد نہیں۔ تو پھر اُسے کسی ایسے مرد کا وسیلہ لینا چاہئے۔ جو خود صحیح معنی میں عبد ہو۔ جو خود عبد کامل ہو۔ اس کو کسی کے وسیلہ کی اتنی ضرورت نہیں۔ بلکہ نبی کو تو کسی اُمتی کے توسل کی قطعاً ضرورت نہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا سے معلوم ہوتا ہے۔ جس کا حوالہ شیخ ابن تیمیہ نے دیا ہے۔ نبی یا ولی کامل خود سائل کی حیثیت میں ہو کر دُعا کر سکتے ہیں۔ اور ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔ مگر عام مومنوں کو دوسروں کا توسل لینا مناسب ہے۔ اور اگر کوئی اہم معاملہ پڑ جائے تو پھر ولیوں کو نبی کا یا قائمقام نبی کا جو قطب مدار ہوتا ہے۔ توسل لینا پڑتا ہے۔ مثلاً ایک ملک میں انقلاب ہوتا ہے۔ اس انقلاب کے کامیاب کرنے یا ناکام کرنے کے لئے قطب الاقطاب کی آخری منظوری کی ضرورت ہے۔ اور قطب الاقطاب کو بارگاہ رسالت کے

---

[۱] دیگر آیات یہ ہیں۔ ووھبنا لہ داؤد وسلیمان نعم العبد انہٗ اواب (ص) فوجد عبداً من عبادنا (کہف) ذکر رحمت ربّک عبدہٗ زکریا۔ (مریم) واذکر عبادنا ابراھیم واسحاق ویعقوب اُولی الایدی والابصار (ص) وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھوناً (فرقان) اوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ (نجم) ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (بنی اسرائیل)

صادر شدہ احکام کی تعمیل کرنا ہوتی ہے۔ اسی لحاظ سے کہا گیا ہے کہ تین سو چالیس
کے پاس۔ چالیس سات کے پاس۔ سات چار کے پاس۔ چار ایک کے پاس
معاملہ پیش کرتے ہیں۔ پس قول فیصل یہ ہے:

اوّل:۔ کہ دنیا میں ہر وقت ایک ایسا کامل ترین مومن موجود رہتا ہے
جو خاتم النبیین کا نائب مناب ہوتا ہے۔ اس کو قطب مدار یا قطب الاقطاب
یا غوثِ وقت کہتے ہیں۔

دوئم:۔ قطبِ مدار کے ماتحت اور بھی کامل مومن ہوتے ہیں۔ جن کو
ابدال۔ عصائب۔ اقطاب وغیرہ کہتے ہیں۔

سوئم:۔ دنیا جہان کا اگر کوئی بڑا اہم کام آپڑے تو اسے اقطاب و ابدال
قطب مدار تک لے جاتے ہیں۔ اور وہ کام اس کی ہدایت و امداد سے سرانجام
پاتا ہے۔ قطب مدار اور غوث وقت اس معاملہ کو دربارہ رسالت کے احکام
کے مطابق طے کرتا ہے۔ اور اسی میں جہان کے روحانی نظام کا راز مضمر ہے
اس روحانی نظام کے متعلق کچھ ذکر باب اوّل فقرہ ۳۹ میں کیا گیا ہے۔

۵۶۔۔۔ شیخ ابن تیمیہ کو بڑا مغالطہ لگا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت
افغانستان کا بادشاہ ظاہر شاہ ہے۔ ظاہر شاہ کی قابلیت کے لوگ افغانستان
میں بہت سے ہیں۔ مگر بادشاہ صرف ایک ہی ہے۔ کیا ظاہر شاہ کے بادشاہ
ہونے سے آپ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ظاہر شاہ کی قابلیت کا اور کوئی افغانستان
میں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح روحانی نظام کی صورت ہے۔ ایک وقت میں
دو چار کامل ترین افراد دنیا میں ہو سکتے ہیں۔ مگر چونکہ قطب مدار ایک وقت
میں ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لئے ان میں سے ایک کو ہی اس کام کے لئے
متعین کیا جاتا ہے۔ قطب مدار کے مقرر ہونے سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ

کہ باقی اس کے ہم مرتبہ ہم عصر اس سے مرتبے میں کم ہیں۔ ان کا مرتبہ بھی وہی ہے۔ ایسے لوگ افراد کاملین یا اقطاب حق کہلاتے ہیں۔ دنیا کے قیام اور کاروبار کائنات کے انصرام کے لئے تین سو یا پانسو افراد متعین ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسی قدر کامل مرد دنیا میں موجود ہیں بالکل غلط ہے۔ حضرت معاویہ کی خلافت کے وقت ان جیسے سینکڑوں آدمی صلاحیت خلافت کی رکھتے تھے۔ مگر وہ سب خلیفے نہیں بن سکتے تھے۔ کیونکہ خلیفہ صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی کامل ترین مرد قطب الاقطاب کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دے۔ اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ تو پھر دوسرا کامل مرد جو اس کے ہم مرتبہ ہو۔ اس کام پر متعین کیا جاتا ہے۔ دوسری بات شیخ موصوف یہ کہتے ہیں کہ ابدال کے متعلق جو حدیث بروایت حضرت علی پہنچی ہے وہ نبی صلعم کے کلام سے نہیں۔ ممکن ہے کہ صورت ایسی ہو۔ لیکن یہاں تو صرف یہی ایک حدیث نہیں۔ ابدال کے متعلق تو ابوداؤد سے بھی حدیث مروی ہے۔ وہ حدیث عن ام سلمہ عن النبی صلعم ہے۔ اس کے علاوہ شیخ ابن تیمیہ ذیل کے اعتراضات پیش کرتے ہیں۔

اوّل :۔ فتوحِ شام کے پہلے شام اور عراق کفر کا گھر تھے۔ اس لئے وہاں اخیار امت نہیں ہو سکتے۔

دوم :۔ حضرت علیؓ اور ان کا ساتھ دینے والے اس جماعت سے افضل تھے۔ جو معاویہؓ کا ساتھ دینے والے تھے۔ معاویہؓ اور اس کی جماعت شام میں تھی۔ پس یہ کہنا نادرست ہے کہ تمام ابدال شام میں رہتے ہیں۔ ان امور کے متعلق اس قدر بیان کر دینا ضروری ہے کہ یہ لازمی نہیں کہ سب ابدال حضرت علیؓ کے اصحاب سے تھے۔ یا حضرت معاویہؓ کے اصحاب سے۔

بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ یا اُن میں سے کچھ ان دونوں جماعتوں سے الگ تھلگ
رہے ہوں۔ جیسا کہ بعض جلیل القدر صحابہ مثل حضرت سعد ابی وقاص اور حضرت
ابنِ عمر الگ رہے تھے۔ یہ کہنے کا کس کو منہ ہے کہ فتوحِ شام سے پہلے ہر زمانے میں
شام اور عراق کفر کا گھر تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت سے لے کر
خاتم النبیین کی بعثت تک وہاں حضرت عیسیٰ کے اُمتی جو اس زمانے میں صحیح معنوں
میں مومن تھے۔ رہتے تھے۔ اور ان میں خیار اُمت بھی موجود ہوں گے۔ ان لوگوں
کی نسبت اس وقت کفر کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ جب کہ خاتم النبیین کے ظاہر ہونے
پر انہوں نے ان کی نبوت کا اقرار نہ کیا ہو۔ مگر جنہوں نے کیا وہ تو مومنین کے
زمرے میں داخل ہو گئے۔ اور وہ جہاں تھے۔ وہاں ٹھہرے رہے اس لئے
ہم مطلق طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فتوح سے پہلے شام اور عراق کفر کا گھر تھے
چنانچہ احادیث ذیل سے اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ سنن ابوداؤد اور مسند احمد
میں ہے کہ یہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔ کہ جنود مجندہ سے ایک جماعت تو
شام میں ہو گی۔ ایک جماعت یمن میں اور ایک عراق میں۔ تم شام کو لازم پکڑنا۔
کیونکہ وہ اللہ کی زمین سے بہتر جگہ ہے۔ اور اسی کی طرف اس کے بہترین بندے
چلے جاتے ہیں[1] ترمذی۔ مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ہے کہ شام کے لئے خوشخبری
ہے۔ کیونکہ رحمن کے فرشتے اس پر پر پھیلائے رہتے ہیں[2] طبرانی اور مستدرک حاکم
میں ہے کہ شام اللہ کی منتخب جگہ ہے۔ اس کی طرف اس کے منتخب بندے جاتے
ہیں[3]۔ ترمذی میں ہے کہ عنقریب فتنے ہوں گے صحابہ نے عرض کی کہ آپ کس بات
کا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا شام کو لازم پکڑنا[4] سعد سے روایت ہے کہ اہلِ غرب قیامت
تک حق پر غالب رہیں گے۔ ابوداؤد کی ایک روایت کے مطابق ابدال کو شام کی

[1] [2] [3] [4] منتخب جلد ۵۔ ص ۳۶۳ (الشام) [5] [6] منتخب جلد ۶۔ ۳۶۳۰۔ شام۔

طرف اور عصائب کو عراق کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ پس ان حدیثوں کی رُو سے ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا۔ کہ اللہ کے بہترین بندے ابدال شام میں خاص طور پر مقام رکھتے ہیں۔ یہ لوگ صرف شام میں پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ مختلف جگہوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر آخر پہ شام وعراق کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے ظاہر ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ایک ہی جگہ ٹھہرے رہیں۔ وہ ادھر اُدھر گھومتے رہتے ہیں۔ اور جب اور کوئی خاص کام انہیں نہیں ہوتا تو شام کی طرف چلے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

۵۷۔ اس حدیث کا منشاء صرف یہ ہے۔ کہ ان نیک بندوں کی ذوات بھی دوسروں کو مدد و رزق پہنچنے کا سبب بنتی ہیں۔ گو کہ اس کے لئے دوسرے اسباب بھی موجود ہیں۔ اور وہ نیک بندوں کا اخلاص دعا اور عبادت ہیں۔ ذات سے توسل کے متعلق مفصل بحث باب دوئم فقرات ۱۴ و ۱۵ میں دیکھیے۔ اس بحث سے صاف ظاہر ہے کہ نیک بندوں کامل مومنوں اور نبیوں کی ذات کا وسیلہ لینا مشروع ہے۔ یہ بات بھی حدیثوں سے ثابت ہے کہ دنیا میں اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہوگا[۱] گویا اللہ اللہ کہنے والوں کے دم قدم سے لوگ۔ لوگ کیا بلکہ ساری کائنات قیامت کے ہول سے محفوظ رہیگی۔ نصرت۔ مدد۔ رزق کا پہنچنا تو معمولی بات ہے۔ قیامت کی تکلیفوں سے محفوظ رہنا بہت بڑی بات ہے اور یہ محفوظیت بھی نیک بندوں کے طفیل ہی حاصل ہے۔ ہم کب کہتے ہیں کہ کافروں اور فاجروں کو رزق نہیں ملتا۔ اللہ تعالے تو رب العالمین ہے۔ وہ سب کو رزق دیتا اور سب کی مدد کرتا ہے۔ ان کافروں اور فاجروں کو بھی اگر رزق ملتا ہے۔ تو انہیں

[۱] مشکوٰۃ۔ باب اشراط الساعۃ [۲] مشکوٰۃ۔ باب لاتقوم الساعۃ الاعلیٰ اشرار الناس۔ ص ۴۰۹

نیک بندوں کے طفیل۔ حدیث میں یہ تخصیص کہاں ہے کہ رزق مدد یا نصرت صرف مومنوں کو ملتی ہے۔ دوسروں کو نہیں ملتی۔ یہ چیزیں تو اہلِ شام کو ملتی ہیں اور شام میں کافر بھی ہیں۔ اور مومن بھی۔ فاسق و فاجر بھی ہیں اور زاہد و عابد بھی۔ اس حدیث میں تو اصول کی گفتگو ہے۔ فروع و تفاصیل کی نہیں۔

وہ شیخ ابن تیمیہ کا یہ خیال ہے کہ یہ کہنا کہ ابدال رجال غیب ہیں اور کہ وہ لوگوں کی نظروں سے ہمیشہ اوجھل رہتے ہیں۔ اور کہ وہ خاص خاص جگہوں میں رہتے ہیں۔ بالکل جھوٹ اور بہتان ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ شیخ موصوف کا اپنا قول محض بہتان ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلعم مکے کی طرف سفر کر رہے تھے راستے میں جبل جُمدان آیا۔ آپ نے فرمایا کہ چلے چلو۔ یہ جُمدان ہے۔ مفرّدون سبقت لے گئے۔ صحابہ نے عرض کی مفرّدون کون ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور بہت یاد کرنیوالی عورتیں[1]۔ مجمع البحار میں ہے کہ مُفرِّدُون سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جن کو ذکر اللہ میں انہماک حاصل ہو۔ اسی لئے رسول صلعم نے مفردون کی تشریح ذاکرون اور ذاکرات سے فرمائی۔

پس مفردون سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو ایک لحہ بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے ان کو کماں درجہ کی تفرید حاصل ہوتی ہے۔ اور ایسے لوگ عموماً کچھ عرصہ کے لئے ایسی جگہوں میں ٹھہرتے ہیں۔ جہاں لوگوں کی آمدورفت بہت کم ہو۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا ایک گروہ جُمدان کے پہاڑ کے اوپر رہتا تھا۔ اور جب رسول اللہ صلعم وہاں سے گذرے تو روحانی قوت سے ان کو معلوم ہوا کہ یہ گروہ یہاں پہاڑ پر ہے۔ اور آپ نے فرمایا کہ یہ جُمدان ہے۔ یہاں مُفرِّدُون

[1] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ۔

ہیں۔ جو اوروں سے سبقت لے گئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ایسے کامل لوگ زاویہ ہائے انزوا میں چھپ اکر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر صورت ایسی نہ ہو تو پھر کوئی بھی ان کو رجال غیب نہ کہتا۔ ان رجالِ غیب کو اصلاحِ حدیث میں اخفیا کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ ابن ماجہ میں ہے۔ کہ جس نے اللہ کے کسی ولی سے دشمنی رکھی اس نے اللہ سے لڑائی کا اعلان کیا۔ اللہ ان ابرار و اتقیاء اخفیاء سے پیار کرتا ہے۔ جو اگر وہ غائب ہوں تو کوئی ان کی تلاش نہیں کرتا۔ اور جو حاضر ہوں تو کوئی اُن کو نہیں بُلاتا۔ اور نہ نزدیک بٹھاتا ہے۔ ان کے دل ہدایت کے دئے ہیں۔ مگر وہ خود تیرہ و تاریک جگہوں سے نکلتے ہیں[1]۔ اسی حدیث سے رجالِ غیب کی اصطلاح نکلی ہے۔ اس حدیث میں دو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اخفیا اور غابوا۔ غابوا سے وہ لوگ مراد ہیں جو غائب ہوں۔ اخفیا سے مراد وہ لوگ ہیں جو چھپے ہوئے ہوں۔ اور یہی لوگ دوسرے لفظوں میں رجالِ غیب ہیں۔ پس رجالِ غیب کی اصطلاح کا ماخذ کلام نبوی ہے۔ جس پر شیخ ابنِ تیمیہ کو بالکل نظر نہیں۔ صحیح مسلم اور مسند احمد میں ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندے تقی۔ غنی۔ خفی سے پیار کرتا ہے۔ اس حدیث میں بھی خفی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور خفی کے ساتھ غنی اور تقی کے الفاظ نے مضمون

لہ۔ مشکوٰۃ باب الریا والسمعۃ ص ۴۴۳ ۲؎ منتخب جلد اوّل تقویٰ ص ۱۵۶

مکمل کردیا ہے۔ بس یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل
ہو۔ نیکوکار ہو۔ اور دل کا بادشاہ ہو۔ یہی اوصاف ایک کامل مومن کے ہونے
ہیں۔ اس سے بھی رجال غیب کی اصطلاح کی تائید ہوتی ہے۔ ان کامل لوگوں
کا رجالِ غیب کہلانا دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ یہ تیرہ وتاریک جگہوں میں
یعنی زاویۂ انزوا میں زیادہ وقت گذارتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ لوگ عام لوگوں
میں بھی رہیں۔ جب بھی کوئی ان کو نہیں پہچان سکتا۔ جیساکہ اوپر حدیث میں ہے۔
کہ اگر یہ حاضر ہوں۔ تو کوئی ان کو اپنے نزدیک نہیں بٹھاتا۔ ان دونوں باتوں
کے لحاظ سے ان کو رجال غیب کہتے ہیں۔ ظاہر بین لوگ خاک دھول بکائن
کے پھول ان باتوں کو جانیں تو کیا جانیں۔ ان کو تو ان باتوں کی ہوا تک نہیں
لگی۔ اس لئے معذور ہیں۔ اور جو کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ کہ ڈالتے ہیں۔ اور خواہ مخواہ
اوروں پر منہ آتے ہیں۔ ان کے ہواداروں کو چاہیئے کہ پہلے اس روحانی نظام
کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ پھر اس مبحث پر منہ کھولیں۔

۵۹ ـ شیخ موصوف اپنی بزرگی کی ریش کو بہت طول دیتے ہیں۔ ان کا یہ لکھنا
کہ ڈاڑھی مونڈھنے والے قلندر سب اہلِ ضلالت ہیں۔ مغالطے پر مبنی ہے۔
ڈاڑھی مونڈھنے سے کوئی کافر وضال نہیں ہو سکتا۔ ضال وہی ہو سکتا ہے۔ جو
اللہ اور رسول کا منکر ہو۔ یا حرام کو حلال اور حلال کو حرام سمجھتا ہو۔ اور فرائض کی
فرضیت کا منکر ہو۔

۶۰ ـ نذروں کے متعلق مفصل بحث اعتقاد (۳) میں کی گئی ہے۔ قبروں
کو مسجد بنا کر وہاں چراغ جلانا حرام ہے۔ جب قبر کو مسجد بنایا جائے تو پھر جیسے
اتخاذ قبر حرام ہے۔ ویسے ہی وہاں چراغ جلانا بھی حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی قبر کے
پاس دن کو یا رات کو قرآن پڑھے۔ جیساکہ حدیث کی رُو سے جائز ہے۔ تو پھر

چراغ جلانا بھی ضروری ہے۔ اس ضرورت کے لحاظ سے قبروں پر چراغ جلانا ممنوع نہیں

۱۱۔ سماع اور تغنّی کے متعلق ایک واضح بیان کی ضرورت ہے۔ شعب الایمان بیہقی میں ہے کہ گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ جس طرح کہ پانی سے سبزی پیدا ہوتی ہے[1] طبرانی اور تاریخ خطیب میں ہے۔ کہ حضرت ابن عمرؓ نے گانے اور گانا سُننے سے غیبت اور غیبت سُننے سے چغلخوری اور چغلی سُننے سے منع کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ گانے کو مکروہ اور گانا سُننے کو گناہ سمجھتے ہیں اور یہی مذہب ابراہیم۔ سفیان ثوری حماد شعبی اور دیگر اہل کوفہ کا ہے۔ امام مالک نے بھی گانے کو ممنوع قرار دیا ہے ان کی یہاں تک رائے ہے کہ اگر کوئی لونڈی خریدے اور گانے والی نکل پڑے تو وہ اُسے واپس کر سکتا ہے۔ جیسے کہ ایک نقص والی چیز واپس کی جاتی ہے۔ یہ مذہب قریباً تمام اہل مدینہ کا ہے۔ امام شافعی کی رائے ہے کہ گانا مکروہ لہو ہے۔ اور باطل سے ملتا جُلتا ہے۔ جو کوئی گانے میں زیادہ دلچسپی لے وہ سفیہ ہے اس کی شہادت قبول نہ کی جائے۔ امام احمد حنبل بھی سماع کو مکروہ کہتے ہیں۔

سماع کے جواز کے متعلق ذیل کی باتیں قابلِ لحاظ ہیں۔

اوّل کہتے ہیں کہ بعض صحابہ نے بھی سماع کا شغل کیا ہے۔ جیسے عبداللہ بن زبیر۔ عبداللہ بن جعفر۔ معاویہ وغیرہ۔

دوئم۔ سلف صالح اور بعض تابعین اور دوسروں نے سماع کا شغل کیا ہے۔

سوئم :۔ حضرت جنید بغدادی۔ ذوالنون مصری۔ ابراہیم ادہم۔ عبداللہ سہیل تستری وغیرہ سب کو سماع سے دلبستگی تھی۔

چہارم :۔ سماع میں دو چیزیں ہیں۔ ایک خوش کُن آواز اور دوسرے کلام منظوم اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان دونوں چیزوں میں سے کوئی مکروہ یا حرام ہے۔

---

[1] دیکھو منتخب۔ کتاب اللھو والتغنّی جلد ششم۔

حُسن صوت یعنی شیریں آواز کے متعلق احادیث ذیل ملاحظہ فرمایئں۔
ابن ماجہ۔ مستدرک حاکم۔ ابن حبان اور شعب الایمان بیہقی میں ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اس شخص کی طرف خوب کان لگاتا ہے۔ جو قرآن کو حُسن صوت یعنی عمدہ آواز سے پڑھے[۵۱] گویا حُسنِ صوت خود حق تعالےٰ کو پسند ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔ کیونکہ عمدہ آواز قرآن کی خوبصورتی بڑھاتی ہے[۵۲]۔ ابن ماجہ میں ہے۔ کہ قرآن کو اچھی آواز سے پڑھو جو اسے اچھی آواز سے نہیں پڑھے گا۔ وہ ہم سے نہیں[۵۳]۔ صحیح بخاری۔ ابوداؤد۔ مسند احمد۔ ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ہے۔ لیس منا من لم یتغن بالقرآن۔ یعنی وہ ہم میں سے نہیں۔ جو قرآن کو عمدہ آواز سے نہ پڑھے[۵۴]۔ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ تغنی یعنی حُسن صوت سے قرآن کا پڑھنا از بس ضروری ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کلام موزوں کا پڑھنا جائز ہے۔ صحیح مسلم اور ابنِ ماجہ میں ہے کہ سب سے سچی بات وہ ہے۔ جو کہ لبید شاعر نے کہی ہے۔ ع الا کل شیءٍ ما خلا اللہ باطل[۵۵]
صحیح مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے کہ بالتحقیق کچھ شعر حکمت ہے[۵۶] بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ اور مسند احمد میں ہے۔ کہ بالتحقیق بیان میں جادو ہے[۵۷]۔ ابوداؤد میں ہے کہ بیان میں سے ہی جادو ہے۔ علم میں سے ہی جہالت ہے۔ شعر سے ہی حکمت ہے۔ اور باتوں سے ہی لاجواب کرنے والی بات ہے۔ ان حدیثوں سے ثابت ہے کہ ان اشعار کا پڑھنا بہت اچھا ہے۔ جن میں حکمت کی باتیں ہوں۔ اب صوتِ حُسن اور شعر محمود کے دو نظریوں کو جمع کر لو۔ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اچھے اشعار کو اچھی آواز سے پڑھنا مباح ہے

[۵۱] منتخب جلد اول ص ۳۸۶۔ الفصل الثالث فی اداب التلاوۃ [۵۲][۵۳] منتخب جلد اول ص ۳۰۲۔ الشعر المحمود [۵۴] منتخب جلد اول ص ۳۸۶ [۵۵][۵۶] منتخب جلد اول ص ۳۰۲ الشعر المحمود۔ [۵۷] منتخب جلد اول۔ الشعر المحمود۔ ص ۳۰۲۔

بلکہ بعض حالتوں میں بہت مناسب ہے۔ ایسے اشعار کا سننا بھی مباح ہے۔ جس گانے کے سُننے کے متعلق وعید وارد ہوئی ہے۔ اور جسے آئمہ اربعہ نے مکروہ قرار دیا ہے۔ وہ گری ہوئی عشقیہ غزلیں ہیں۔ جو سفیہہ لوگوں کے زبان زد ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ادب المفرد للبخاری اور طبرانی اوسط سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ شعر بمنزلہ کلام کے ہے۔ اچھا شعر اچھے کلام کی طرح ہے۔ اور بُرا شعر بُرے کلام کی طرح پس جو مجلس سماع کی منعقد کی جاتی ہے۔ اور اس میں اللہ و رسول کی محبت کے گانے گائے جاتے ہیں۔ ایسی مجلسوں میں شامل ہونا بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ ان گانوں میں اللہ و رسولؐ اور اُن کی محبت کی خوبیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اور جہاں ایسا ذکر اذکار ہو۔ وہاں فرشتے ضرور حاضر ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسی مجلس پر رحمت حق برستی ہے۔ جو اللہ و رسول کا ذکر خیر کرے خواہ وہ ذکر نثر کی صورت میں ہو۔ یا نظم کی صورت میں۔ خواہ گا کر ہو خواہ تحت اللفظ پڑھ کر۔ ایسی مجلسیں عام طور پر چشتی صوفیا منعقد کرتے ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ کو ان مراتب پر وقوف نہیں۔ وہ راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ اور حقائق سماع ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے ہیں۔

پنجم :۔ معترض کہ سکتا ہے کہ صحیح مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ کسی کے پیٹ کا پیپ سے بھرنا جس سے وہ خراب ہو جائے۔ شعر سے بھرے جانے سے بہتر ہے[1] اب اس حدیث کی بنا پر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ شعر کہنا غیر مذموم ہے معترض نے حقیقت حال کو نہیں سمجھا۔ شعر مذموم کا کہنا مذموم ہے۔ اور شعر مذموم وہ ہے۔ جو اللہ رسول سے غافل کرے۔ اور فواحش کی طرف بلائے۔ ہجو بھی شعر مذموم ہے۔ بصورتیکہ وہ اللہ و رسول کے لئے نہ ہو۔ اور اگر وہ اللہ و رسول

[1] مشکوٰۃ باب البیان والشعر

کے لئے ہو۔ تو محمود ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے حضرت
حسان کو فرمایا کہ روح قدس تیری مدد کرتا رہے گا۔ جب تک کہ تو اللہ و رسول کی
طرف سے جواب دیتا رہے گا۔[۱] صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ حسان
کو کہا کرتے تھے کہ قریش کی ہجو کرو۔ کہ ہجو ان پر پتھر پھینکنے سے زیادہ سخت ہے۔[۲]
جناب رسول اللہ صلعم حسان کو فرمایا کرتے تھے کہ میری طرف سے جواب دو۔
اور دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ حسان کی روح القدس سے مدد کر۔ قریظہ
کے دن آپ نے حسان کو فرمایا کہ مشرکوں کی ہجو کرو۔ اس لئے ہجو بھی شعر مذموم
نہیں بشرطیکہ وہ اللہ و رسول کے لئے ہو۔ اچھے اشعار کا پڑھنا تو قطعاً جائز ہے
رسول اللہ صلعم خود بھی کبھی کبھی کوئی شعر پڑھ دیتے تھے۔ مثلاً[۳]

اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ — فاغفر الانصار والمھاجرۃ[۴]

خندق کے دن آپ یہ پڑھتے تھے۔

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا — ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا — وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الاولی قد بغوا علینا — اذا ارادوا فتنۃ ابینا

ابینا ابینا پر آواز اونچی کرتے تھے۔[۵] صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ایک دن
ایک صحابی کے ساتھ سوار تھے۔ آپ نے ان سے امیہ بن ابی الصلت کے اشعار
سنانے کی فرمائش کی۔ چنانچہ وہ آپ کو اشعار سناتے رہے۔ یہ صحابی عمرو بن
شرید کے باپ تھے۔[۶] حضرت حسان کے اشعار تو آپ مسجد میں منبر نصب کرا کر
سنا کرتے تھے۔ جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے۔[۷] رسول اللہ صلعم کا ایک

---

۱ ۲ ۳ مشکوٰۃ باب البیان والشعر ۴ ۵ مشکوٰۃ باب البیان والشعر صحیحین۔
۶ ۷ مشکوٰۃ باب البیان والشعر

ہدی خوان تھا۔ اس کا نام انجشہ تھا۔ جب مستورات ساتھ ہوتیں اور وہ ہدی
خوانی کرتا تو آپ فرماتے انجشہ آہستہ آہستہ آبگینوں کو نہ توڑ دے[۱] مستورات کو
ان کی کمزوری اور سرعتِ تاثر کی وجہ سے قواریر سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ پس
ظاہر ہے کہ شعرِ غیر مذموم کے گانے کا سننا مباح ہے اور اس طرح کا گانا اور
اس طرح کے اشعار خود رسول اللہ صلعم سنا کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔
اب دیکھنا یہ ہے کہ آلاتِ تغنی کا استعمال جائز ہے کہ نہیں صحیحین میں حضرت
عائشہ صدیقہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔
درحالتیکہ ایامِ منیٰ میں دو لڑکیاں ان کے ہاں بیٹھی ہوئی دف بجا رہی تھیں۔ اور
حضرت رسول کریم صلعم لیٹے ہوئے اپنے منہ پر کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت
ابو بکر نے لڑکیوں کو جھڑکا۔ رسول اللہ صلعم نے منہ پر سے کپڑا اتارا۔ اور کہا کہ اے
ابو بکر ان کو چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔ نسائی میں بھی اس قسم کی ایک
روایت موجود ہے[۲] ابنِ ماجہ میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر
میرے ہاں تشریف لائے۔ درحالتیکہ دو لڑکیاں انصار کی گا رہی اور یوم بغاث کا
حال بیان کر رہی تھی لیکن وہ لڑکیاں گانے والی نہ تھیں۔ ابو بکرؓ بولے کہ کیا نبی صلعم کے
گھر میں شیطان کا مزمار موجود ہے۔ نبی صلعم بولے اے ابو بکر ہر ایک قوم کی عید
ہوتی ہے۔ اور ہماری یہ عید ہے[۳] ترمذی اور ابن حبان میں ہے کہ جناب رسول
اللہ صلعم ایک دفعہ جب جہاد سے واپس مدینہ تشریف لائے تو ایک سیاہ فام
لڑکی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کرنے لگی کہ میں نے یہ نذر رکھی تھی کہ
جب آپ صحیح وسلامت واپس تشریف لائیں۔ تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤنگی۔
آپ نے فرمایا کہ اگر تو نے یہ نذر رکھی تھی۔ تو نذر پوری کر لے۔ ابن ماجہ میں ہے

---

[۱] مشکوٰۃ باب البیان والشعر۔ [۲] [۳] منتخب جلد ۲ کتاب اللھو والتغنی ص ۱۷۳۔ منتخب جلد ۲ کتاب اللھو والتغنی

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ نکاح کا اعلان کرو اور اس کے لئے دف بجاؤ۔ ابن
ماجہ میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم مدینے میں سے
گذر رہے تھے۔ تو آپ نے دیکھا کہ لڑکیاں دف بجا رہی اور یہ گا رہی تھیں

نحن جوار من بنی النجار   یا حبذا محمد من جار

ترجمہ:۔ ہم بنی النجار کی لڑکیاں ہیں۔ کیا خوب بات ہے کہ محمد صلعم ہمارے ہمسایہ ہیں۔
نبی صلعم بولے کہ میں یقیناً تم سے محبت رکھتا ہوں۔ نسائی۔ ترمذی۔ بمسند احمد
اور ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ حلال و حرام میں فرق کرنے والی
چیز نکاح کے وقت گانا اور بجانا ہے۔[۱] ابوداؤد میں ہے کہ ایک عورت نبی
صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کرنے لگی کہ یا رسول اللہ صلعم میں نے
نذر رکھی تھی کہ میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ آپ نے فرمایا تو اپنی نذر
پوری کر لے۔ اسی طرح مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلعم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ
تشریف لائے۔ تو لڑکیوں نے دف بجائی۔ اور یہ شعر گائے[۳]

طلع البدر علینا   من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا   ما دعی للہ داع

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کے وقت اور خوشی کے دیگر موقعوں
پر مزامیر یعنی آلات تغنی کا بجانا اور خوشی کے اشعار گانا جائز ہے۔ انہیں احادیث
کی بنا پر روحانی خوشی منانے اور روح کو عروج دینے کے لئے احباب چشت نے
سماع کی جوازیت کا فتویٰ دیا ہے۔ اور یہ جوازیت قولاً اور فعلاً قرون اولیٰ سے
ہی چلی آتی ہے۔ شیخ ابن تیمیہ کے ہوادار احادیث سماع کے ان تمام پہلوؤں
پر غور کریں اور پھر اپنا فتویٰ صادر کریں۔

[۱] مشکوٰۃ باب اعلان النکاح۔ [۲] مشکوٰۃ باب فی النذور۔ [۳] دیکھو باب ہجرت کتب احادیث۔

۶۲ — یہاں شیخ ابنِ تیمیہ نے تین سوال پیش کئے ہیں۔
اول :۔ رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر کی حدیث بے اصل ہے۔
دوم :۔ نفسانی جہاد۔ یعنی اپنے نفس کی مخالفت جہاد کفار سے افضل نہیں۔
سوم :۔ جہاد کفار تمام اعمال بلکہ تمام عبادات سے افضل ہے۔ اب ہر ایک امر ترتیب وار لیا جاتا ہے۔

امرِ اوّل یہ حدیث تاریخ خطیب کی ہے۔ ہم شیخ موصوف کا کہا مان لیتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ کیونکہ صحاح اور مسند احمد میں یہ حدیث موجود نہیں لیکن جو نتیجہ شیخ موصوف اس حدیث کی نفی پہ مبنی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ غلط ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔

امر دوم :۔ سب سے پہلے یہ امر تنقیح طلب ہے کہ جہادِ نفسانی والے کون ہیں۔ اور جہاد جسمانی والے کون۔ جہاد نفسانی میں کامیاب رہنے والے صدیق ہیں۔ اور جہاد نفسانی والے شہید اور غازی۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ صدیق کا مرتبہ شہید سے بہت زیادہ ہے۔ اس کے متعلق دلائل بابِ دوئم فقرات ۹ ،۱۔ ۱۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے علاوہ حدیثوں سے بھی جہاد نفسانی کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ ترمذی اور ابنِ حبان میں ہے۔ المجاہد من جاھد نفسہ فی طاعت اللہ[1] یعنی مجاہد وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کے ساتھ اللہ کی اطاعت میں جہاد کرے۔ اربابِ فصاحت و بلاغت بخوبی جانتے ہیں کہ اس اسلوب کلام سے کیا مستنبط ہوتا ہے۔ اس حدیث سے جہادِ کفار کی فضیلت متقابلہ کی نفی مقصود ہے۔ یعنی جہاد کفار کو اس جہاد پہ برتری نہیں۔ ورنہ یہ کبھی نہ کہا جاتا۔ کہ مجاہد وہی ہے۔ جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ حالانکہ اس قسم کے مجاہد

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان

کے علاوہ اور قسم کے مجاہد بھی معروف و متعارف ہیں۔ اسی طرح ہجرت کے متعلق ہے۔ ای الھجرت افضل۔ قال ان تھجر ما کرہ ربک[۱]۔ جیسا کہ حدیث میں ہے یعنی کونسی ہجرت افضل ہے۔ فرمایا کہ تو وہ کچھ ترک کر دے جو تیرے پروردگار کو ناپسند ہے۔ پس ہجرت بھی دو قسم کی ہوئی۔ ایک ہجرت مکانی دوسری نفسانی۔ ان میں سے ہجرتِ نفسانی افضل ہے۔ کیونکہ ہجرتِ نفسانی اُسی مومن کو حاصل ہو سکتی ہے جو پاک ہُوا ہُوا ہو۔ اور صحیح معنی میں پاک ہُوا ہُوا مومن صدیق کہلاتا ہے سب گناہوں، سب برائیوں، سب عیبوں اور سب فواحش کو ترک کرنیوالا کامل مومن ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہی صدیق ہے۔ اسی طرح جہاد کی بھی دو قسمیں ہیں جسمانی اور نفسانی۔ ان میں سے بھی نفسانی افضل ہے۔ جہاد نفسانی کے غازی کا نفس مطمئن ہوتا ہے۔ اور اطمینانِ نفس صدیقیت کا معیار ہے۔ یاایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیۃً مرضیۃ۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ یعنی اے نفس مطمئنہ تو لوٹ اپنے پروردگار کی طرف خوش ہُوا ہُوا اور خوش کرنیوالا سو تو داخل ہو میرے بندوں میں اور تو داخل ہو میری جنت میں[۲]۔ نفس مطمئنہ والے کا قلب سلیم ہوتا ہے۔ اذجاء ربہ بقلبٍ سلیم[۳] یہ آیت حضرت ابراہیم کے متعلق ہے۔ اس اطمینان کو نفس کا پاک کرنا کہتے ہیں۔ سورۃ الشمس میں ہے۔ ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقواھا قد افلح من زکّھا[۴]۔ تحقیق کامیاب ہُوا وہ جس نے نفس کو پاک کیا۔ نفس کی پاکیزگی صدیق کا معیار کمال ہے۔ اطمینانِ قلب ذکر اللہ سے ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب[۵]

پس صدیقوں کے اوصاف ذکر اللہ۔ حب اللہ۔ اطمینانِ قلب۔ سلامتیٔ دل اور

---

[۱] مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان بروایت احمد

[۲] فجر۔ ۸۹۔ ۲۷ تا ۳۰۔ [۳] صٰفٰت ۳۷۔ ۸۴۔ [۴] ۹۱۔ ۷ تا ۱۰۔

پاکیزگیٔ نفس ہیں۔ اور انہی چیزوں کی زیادتی سے ان کا مرتبہ مجاہدوں سے زیادہ ہے جیسا کہ آگے بھی بیان کیا جائے گا۔

سوئم:۔ یہاں بھی شیخ ابن تیمیہ کو مغالطہ ہوا ہے۔ ان کا یہ فرمانا کہ جہاد کفار تمام اعمال حتیٰ کہ عبادات سے بھی افضل ہے۔ بالکل غلط ہے۔ صحیح مسلم۔ ابوداؤد نسائی اور مسند احمد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل اپنے وقتِ معینہ پہ نماز ہے۔ پھر والدین کے ساتھ نیکی۔ پھر اللہ کی راہ میں جہاد[1] اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ نماز جو عبادات میں داخل ہے۔ جہاد سے افضل ہے۔ نماز جہاد سے کیوں افضل ہے۔ وہ اس لئے کہ نماز بھی اللہ کے ذکر کے لئے قائم کی جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔ اقم الصلوٰۃ لذکری۔ یعنی نماز میرے ذکر کے لئے قائم کر۔ اس لیۓ ذکر اللہ بھی جہاد سے افضل ہے۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مسند احمد۔ اور موطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسا عمل بتاؤں جو تمہارے تمام عملوں سے بہتر۔ تمہارے مالک کے یہاں پاکیزہ تر۔ تمہارے درجے زیادہ کرنے والا۔ اللہ کی راہ میں سیم و زر خرچ کرنے سے بہتر۔ اور تمہارے لیۓ اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے مقابلہ کرو۔ تم اُن کی گردنیں مارو۔ اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے عرض کی فرمایئے۔ بولے اللہ کا ذکر[2] ترمذی اور مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلعم سے پوچھا گیا کہ کونسے بندے اللہ کے یہاں قیامت کے روز افضل اور بلند مرتبہ ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور بہت یاد کرنے والی عورتیں۔ پھر عرض کی گئی کہ کیا غازی فی سبیل اللہ سے بھی؟ فرمایا۔

---

[1] منتخب جلد ۳۔ ص۔ ۲۳۲۔ الفصل الثانی فی فضائل الصلوٰۃ۔

[2] طا۔ ۲۰۔ ۱۴۔ [3] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ۔

ہاں۔ اگرچہ وہ کافروں اور مشرکوں میں تلوار مارے۔ تاآنکہ اُس کی تلوار ٹوٹ جائے
اور وہ خون سے لت پت ہو۔ جب بھی اللہ کا ذاکر اس سے ایک درجہ افضل
ہے[1]۔ ان احادیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ ذاکر کامل مجاہد سے افضل ہے۔
ان احادیث کی موجودگی میں جو کوئی یہ کہہ دے۔ کہ جہاد تمام عبادات سے افضل
ہے۔ وہ صریحاً غلطی پر ہے۔ ذکر کیوں افضل عبادات ہے۔ اس لئے کہ اس سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذاکر کو اللہ تعالےٰ سے بہت محبت ہوتی ہے۔ اور حُبّ اللہ
افضل اعمال ہے۔ ابوداؤد اور مسند احمد میں ہے کہ ایکدن رسول اللہ صلعم نے
صحابہ سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو۔ کہ کونسا عمل اللہ تعالےٰ کو پسند ہے۔
کسی نے نماز کسی نے زکوٰۃ اور کسی نے جہاد کہا۔ نبی صلعم نے فرمایا جو عمل اللہ
اللہ تعالےٰ کو سب عملوں سے زیادہ پسند ہے۔ وہ حب فی اللہ اور بغض فی
ہے[2]۔ پس ثابت ہے کہ جہاد سے نماز۔ ذکر اللہ اور حُبّ اللہ افضل ہیں اور
ذکر اللہ اور حُبّ اللہ ان لوگوں کا شیوہ ہے۔ جو جہاد نفسانی میں مشغول ہوں
اس لئے جہاد نفسانی میں شغل رکھنے والے جو صحیح معنوں میں صدیق ہوتے
ہیں۔ مجاہدوں سے افضل ہیں۔ جو آیات شیخ موصوف نے پیش کی ہیں۔ اُن
سے انہوں نے غلط استدلال کیا ہے۔ مجاہدون اور قاعدون دونوں نماز پڑھتے
اور زکوٰۃ دیتے۔ روزہ رکھتے اور حج کرتے ہیں۔ مجاہدوں میں جہاد کا طرّۂ امتیاز
لگا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ قدرتاً قاعدوں کے مقابلہ میں فضیلت رکھتے ہیں۔
نہ اس لئے کہ وہ محض مجاہد ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ فرائض خمسہ کے علاوہ جہاد
بھی کرتے ہیں۔ قاعدون میں پانچ باتیں یعنی فرائضِ خمسہ کی ادائیگی ہے۔ مجاہدوں
میں چھ باتیں ہیں۔ جن میں سے ایک مجاہد ہے۔ اس لئے مجاہد قاعد سے افضل ہے

[1] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ۔ [2] مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ ومن اللہ۔

اس لئے یہ استنباط بالکل غلط ہے کہ جہاد تمام عبادات سے افضل ہے جیسا کہ شیخ ابنِ تیمیہ کا خیال ہے۔ خلاصہ مطلب یہ کہ صدیق وہ ہے جو فرائض پنجگانہ کا پابند ہو۔ اور پاک ہُوا ہُوا ہو اور اسی پاکیزگی کی وجہ سے ایک لمحہ بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔ اگرچہ اُسے جہاد کفّار کا موقعہ تمام عمر میں نہ ملے۔ مجاہد وہ ہے جو فرائض پنجگانہ کی پابندی کے ساتھ جہاد کفّار بھی کرے۔ مگر وہ صدیق کی طرح ہر لمحہ ذاکر نہ ہو۔ ایسے مجاہد سے صدیق بدرجہا بہتر ہے۔ اگرچہ اس نے کبھی بھی جہاد کفّار نہ کیا ہو۔ اور یہی حال اُوپر کی حدیثوں کا ہے۔ جس میں ذکر کی برتری۔ جہاد۔ زکوٰۃ وغیرہ پر بیان کی گئی ہے۔ ؎

چو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

باب پنجم

وہ باتیں جو مومنوں کو کمال حاصل کرنے کے لئے لابدی ہیں۔

ہر شبنمے دریں رہ صد موجِ آتشین ست　　دردا کہ ایں معمّا شرح و بیاں ندارد

سوال (۱) وہ کونسی باتیں ہیں جن کا ہونا ایک کامل مومن کے لئے ضروری ہے

ج :- وہ باتیں یہ ہیں - بیعتہ(۱) - ذکر قلبی و روحی(۲) - تجلی ذاتی و صفاتی(۳) - الہام(۴) - اسلام حقیقی و کفر حقیقی(۵) - کشفِ قلوب(۶) - قبور ملکوت - و لاہوت - معرفتہ و حقیقت(۷) -

اول - بیعتہ -

سوال (۲) بیعتہ کی کیا ضرورت ہے۔

ج - ہر فن - ہر علم - ہر ہنر کے سیکھنے کے لئے استاد ماہر فن کی ضرورت ہوتی
ہے آپ کا ابتدائی ایمان منعقد نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ آپ کسی سے کلمہ
شہادت سیکھ کر اقرار باللسان نہ کریں۔ گویا کفر و شرک سے ایمان کی طرف
آنے کے لئے بھی ایک سکھانے والے کی ضرورت ہے۔ پھر آگے چل کر اس
مومن کو ارکان خمسہ کے سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کسی اُستاد و واقف کے
سامنے زانو تلمذ تہ کرنا - اور اس سے اسلام کی ابتدائی باتیں اور پنجگانہ فرائض
کے احکام سیکھتا ہے۔ اس کے بعد اُسے علم دین و فقہ کے سیکھنے کی ضرورت پیش
آتی ہے۔ اس غرض کے لئے بھی وہ کسی ماہرِ فقہ کی شاگردی اختیار کرتا ہے۔ اور
اس سے قرآن اور کوئی چھوٹی موٹی کتاب حدیث کی پڑھتا ہے۔ یہاں پہنچکر اس
کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایک کامل مومن کی صفات اپنے اندر پیدا
کیے جائیں۔ جب یہ خیال اس کے اندر راسخ ہو جاتا ہے۔ تو پھر وہ کسی کامل مومن
کی تلاش کرتا ہے اور اس سے بیعت کرتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مومن مبتدی کو قدم قدم پر استاد و رہبر

کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

سوال (۳) فرائض پنجگانہ کے سیکھنے کے بعد مومن کو مرد کامل سے بیعت، کی ضرورت ہی کیا ہوتی ہے۔

ج: فرائض پنجگانہ کا سیکھنا ایک بات ہے۔ اور ان کو پورے طور بجالانا دوسری بات۔ ایک مبتدی نماز پڑھنی تو سیکھتا ہے۔ مگر اسے وہ حضور حاصل نہیں ہوتا۔ جو ایک کامل مومن کو ہوتا ہے۔ اسے قدرتاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایسا حضور کس طرح حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کو معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے احسان کی ایک اصطلاح وضع فرمائی ہے[1]۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تو عبادت کرے اور نماز پڑھے تو اللہ کو دیکھے۔ اگر یہ نہ ہو تو کم از کم یہ تو ہو کہ اللہ تجھے دیکھتا ہے۔ اب مبتدی چاہتا ہے کہ وہ بھی نماز پڑھتے وقت حق تعالیٰ کا جلوہ دیکھے۔ اسی طرح اُسے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِی فِی الصَّلٰوۃِ[2] یعنی میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہوتی ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ نماز میں مشغول ہوتے وقت نمازی کو سکون قلب۔ اطمینان اور جلوۂ حق حاصل ہوتا ہے۔ جس سے اس کی آنکھ میں تراوت اور ٹھنڈک پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے اسے بھی خیال ہوتا ہے کہ اس کی نماز میں بھی یہ کیفیت پیدا ہوجائے۔ اس شخص کو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں ہے کہ نماز فحش اور بُری باتوں سے روکتی ہے[3]۔ اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اور گناہ کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔ اب اُسے خیال ہوتا ہے کہ وہ نماز کس طرح کی ہوتی ہے۔ جو ہر طرح کی بُرائی بدی سے روکتی ہے۔ اور ایسا نمازی کون ہوسکتا ہے۔ اس شخص کو پتہ لگتا ہے کہ نماز ذکر مقید ہے۔

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان صحیحین [2] احمد نسائی باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبی صلعم ص ۴۴۷ [3] ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر آلآخر

اور مومن کا ایک وظیفہ ذکر مطلق بھی ہے۔ اسی ذکر مطلق کے لئے نماز بھی قائم کی جاتی ہے۔ اور نماز قائم کر میرے ذکر کے لئے[1]۔ حج کے قریب تمام مناسک اسی ذکر مطلق کے لئے مشروع کئے گئے ہیں۔ ترمذی اور دارمی میں ہے۔ کہ کنکریوں کا پھینکنا اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ذکر اللہ کے قائم کرنے کے لئے ہے[2]۔ اس مبتدی کو خیال ہوتا ہے کہ ذکر مطلق کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔ اور اس کے احوال اوقات و آداب کیا ہیں۔ ذکر مطلق ادا کرنے کا طریقہ حدیثوں میں مذکور نہیں۔ جس طرح کہ نماز کے ادا کرنے کا طریق مذکور ہے۔ ان تمام باتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے اسے ایک کامل مومن کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ جو ان باتوں میں مہارت تامہ حاصل کر چکا ہو۔ اسی طرح اس کو معلوم ہوتا ہے کہ ذکر مطلق کی ایک قسم ذکر نفسی اور ایک قسم ذکر خفی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ جو مجھے اپنے (نفس) دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں[3]۔ مسند احمد اور ابن حبان میں ہے کہ بہترین ذکر ذکرِ خفی ہے[4]۔ اس کے علاوہ اُسے سینکڑوں باتوں کا سُراغ ملتا ہے۔ جس سے اس کو واقفیت نہیں ہوتی۔ مثلاً تجلی ذاتی۔ صفاتی۔ الہام معرفت۔ حقیقت۔ کشفِ صدور۔ کشفِ قبور وغیرہ۔ ایسی باتوں کا مفصل ذکر اس باب میں اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔ اس مبتدی کو جب ان تمام باتوں کا پتہ چلتا ہے تو وہ ایک کامل مومن کی طرف رجوع کرتا اور اس کے سامنے زانوادب تہ کرتا ہے۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں بیعت کہتے ہیں۔

سوال (۴) یہ مبتدی یہ تمام باتیں جن کا حوالہ اُوپر آیا ہے کس طرح حاصل کرتا

---

[1] واقم الصلوٰۃ لذکری الآیہ۔ [2] مشکوٰۃ باب رمی الجمار ص ۱۹۴۔ [3] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ [4] منتخب جلد اول ص ۲۲۶۔ باب فی الذکر۔

ہے۔ کیا صرف بیعت کرنے سے یہ سارا راز کھل جاتا ہے۔

ج۔ ہرگز نہیں۔ اسے اس سلسلہ اسباق سے گزرنا ہوتا ہے۔ جو کامل مومن اس کے لئے مقرر کرتا ہے۔ یہ کامل مومن اس کے لئے مرشد کا کام دیتا ہے اور اسے کمال حاصل کرنے کا راستہ بتدریج سکھاتا ہے۔ تا آنکہ مبتدی خود منتہی بن جاتا ہے اس وقت یہ مبتدی تقلید سے نکل کر تحقیق کو پہنچ جاتا ہے۔ مگر اس سے پیشتر اس کے لئے اپنے مرشد کی تقلید از بس ضروری ہے۔ حضرت حافظ کیا خوب کہتے ہیں ؎

بہ مئے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید ‌ ‌ ‌ ‌ کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

اگر مبتدی شروع میں اس منتہی کی تقلید نہ کرے۔ تو وہ اس راستہ میں بھٹکتے پھرتا اور اپنے آپ کو گم کئے دیتا ہے ؎

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہ قدم ‌ ‌ ‌ ‌ کہ گم شد آنکہ دریں رہ بہ رہبرے نہ رسید

سوال (ہ) صحابہ اور صحابیات کرام امت کے افضل ترین افراد ہیں۔ ان سب افراد نے تو یہ بیعت نہیں کی۔ اور جب انہوں نے بیعت نہیں کی۔ تو پھر وہ کس طرح بیعت کے بغیر افضل ترین افراد امت بن گئے۔

ج۔ صحابہ اور صحابیات بھی تین جماعتوں میں منقسم ہیں۔ اول وہ جنہوں نے بیعتہ تقوٰی کی۔ اور کمال تفصیلی حاصل کیا۔ دوئم وہ جنہوں نے بیعتہ تقوٰی تو کی۔ مگر کمال تفصیلی حاصل نہیں کیا۔ سوئم وہ جنہوں نے دوری اور بُعد مسافت کے سبب یا کسی اور وجہ سے بیعتہ تقوٰی نہ کی۔ بیعتہ تقوٰی نہ کرنے والے صحابہ اور صحابیات اقل قلیل ہوں گے۔ بلکہ دو ایک سے زیادہ نہ ہوں گے کیونکہ صحیح بخاری میں غزوۂ خندق کے متعلق مذکور ہے کہ رسول اللہ صلعم نے تمام مہاجرین اور انصار کے لئے دعائے مغفرت مانگی۔ اس پر صحابہ نے عرض

کی۔ نحن الذین بایعوا محمداً علی الاسلام ما بقینا ابداً[1]۔ یوم حدیبیہ کو پندرہ سو صحابہ نے بیعت
کی[2] صحابہ اور صحابیات سب کے سب اولیاء امت سے افضل ہیں۔ خواہ انہوں
نے کمال تفصیلی حاصل کیا یا نہیں۔ اولیاء کا کمال سلوک کی راہ سے ہے۔ صحابہ
کی فضیلت مصاحبت نبوی کی وجہ سے ہے۔ تمام صحابہ مصاحبت نبوی کی بدولت
تمام اولیائے امت سے گوئے سبقت لے گئے۔ صحابہ کا قرب قرب نبوت ہے۔
اور اولیاء کا قرب قرب ولایت۔ اور نبوت چونکہ ولایت سے افضل ہے۔ اس لئے
صحابہ اولیاء سے افضل قرار پائے۔ صحابہ بلا وساطت غیرے نبی تک پہنچے۔ دوسرے
مومن مرشد کی وساطت سے نبی تک پہنچے ہیں۔ پس یہی ایک بات ایسی ہے جس
سے صحابہ غیر صحابہ سے بڑھ گئے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ بہترین لوگ
میرے زمانے کے ہیں۔ پھر اس کے بعد والے پھر اسکے بعد والے[3]۔ اب اگر کوئی صحابی رسول اللہ
صلعم کی شرف صحبت کے علاوہ تفصیلی کمال بھی حاصل کر لے تو پھر نور علی نور ہے۔
جیسا کہ خلفاء اربعہ اور دیگر کبار صحابہ کی صورت تھی۔ بیعت کمال تفصیلی کے حصول
کے لئے ضروری ہے۔ مگر صحابہ اس تفصیلی کمال کے حصول کے بغیر ہی تمام اولیاء
سے افضل قرار پائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اکثر صحابہ نے تفصیلی کمال بھی حاصل
کیا تھا۔ اندریں صورت بیعت کی ضرورت مفقود نہیں۔

سوال (۶)۔ بیعت کی کتنی قسمیں ہیں۔

ج۔ بیعت کی مختلف قسمیں ہیں۔ بیعت [illegible]۔ بیعت ہجرت۔ بیعت
جہاد۔ بیعت اسلام۔ بیعت تقوی۔ یہ تمام اقسام حدیثوں سے ثابت ہیں۔
بیعت بیع سے ہے۔ مجمع البحار میں ہے۔ ھو عبارة عن المعاقدة والمعاھدة
فان کل واحد باع ما عندہ من صاحبہ واعطاہ خالصة نفسه وطاعته

[1] بخاری۔ غزوہ خندق [2] بخاری یوم حدیبیہ [3] خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم۔ ثم الذین یلونہم۔

یعنی بیعت وہ معاہدہ ہے جس میں مرید مرشد کے پاس اپنا آپ بیچ ڈالتا اور ہر وقت ہر حال میں اس کی تابعداری کا دم بھرتا ہے ؎

گر در سرت ہوائے وصال ست حافظا

باید کہ خاک درگہِ اہلِ بصر شوی

سوال (۷) بیعت کے متعلق کچھ نصوص بھی بیان کر دیجیے۔

ج: سُنیے! قرآن میں ہے۔ بالتحقیق جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اُوپر ہے۔ سو جو کوئی عہد توڑتا ہے تو اس توڑنے کا وبال اس کے نفس پر ہے اور جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے اللہ اُسے بڑا درجہ دیگا[۱] سورۂ ممتحنہ میں ہے۔ اے نبی جب تیرے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے آئیں۔ کہ وہ اللہ سے شرک نہ کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ بہتان گھڑا کریں گی۔ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے بیچ اور نیکی میں نافرمانی نہ کرینگی۔ تو تُو اُن سے بیعت لے۔ اور ان کے لئے اللہ سے استغفار مانگ بتحقیق اللہ بخشنے والا۔ رحم کرنے والا ہے[۲] یہ آیت بیعۃ تقویٰ کے متعلق ہے۔ بیعۃ تقویٰ کے متعلق کچھ حدیثیں بیان کئے دیتا ہوں۔

بیعتہ تقویٰ۔ صحیحین۔ مسند احمد۔ ترمذی میں ہے۔ میں تم سے بیعت لیتا ہوں۔ اس بات پر کہ تم اللہ سے شرک نہ کرو۔ نہ چوری کرو۔ نہ زنا کرو۔ نہ اپنی اولاد کو قتل کرو۔ نہ کسی پر افترا باندھو۔ نہ نیکی میں نافرمانی کرو[۳] الخ۔ مسند احمد اور نسائی میں ہے کہ میں تم سے بیعت لیتا ہوں۔ اس بات پر کہ تم اللہ کی عبادت کرو گے۔ بلا شرک کے نماز واجب قائم کرو گے۔ نہ کوٰۃ دو گے۔ ہر ایک

---

[۱] فتح ۴۸ - ۱۰ - [۲] ۶۰ - ۱۲ - [۳] منتخب جلد اول۔ ص ۹۲ فصل فی احکام البیعۃ

مسلم کی خیر خواہی کرو گے۔ اور شرک سے بچو گے[1] مسلم اور نسائی میں ہے۔ کہ کیا
تم مجھ سے بیعت نہ کرو گے۔ اس بات پر کہ تم اللہ کی عبادت کرو گے۔ اور
اللہ سے شرک نہ کرو گے۔ پانچ نمازیں قائم کرو گے۔ زکوٰۃ دو گے میری بات
سنو گے۔ اور فرمانبرداری کرو گے اور لوگوں سے کچھ نہ مانگو گے[2] ابن سعد کی
روایت ہے کہ عمر بن عطیہ اللیثی حضرت عمر بن الخطاب کے پاس آئے اور کہنے لگے
اے امیر المومنین ہاتھ اُٹھائیے۔ میں آپ سے سنت اللہ اور سنت رسول پر
بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے ہاتھ اُٹھایا۔ اور آپ نے ہنستے ہوئے کہا ھی لنا
علیکم و لکم علینا[3] ابو داؤد میں ہے کہ جب نبی صلعم مدینہ میں آئے تو انصار
کی عورتیں ایک گھر میں جمع ہوئیں۔ نبی صلعم نے حضرت عمر کو ان عورتوں سے
بیعت لینے کے لئے بھیجا۔ حضرت عمر آئے اور انہوں نے سلام علیکم کہی۔
عورتوں نے اس کا جواب دیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں تمہاری طرف رسول
اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ عورتوں نے کہا۔ رسول اللہ اور رسول رسول اللہ کو مرحبا ہو۔ پھر آپ نے ان[4]
بیعتِ تقویٰ لی۔ جس کا تفصیلی ذکر حدیث میں موجود ہے[5]

بیعتِ جہاد صحیحین میں ہے کہ ہجرت کا وقت تو اہلِ ہجرت کے لئے ہو چکا۔
میں اس سے بیعت لیتا ہوں۔ اسلام اور جہاد پر[6] بیعتِ رضوان بھی اصل میں موت اور جہاد پر بیعت تھی[7]

---

[1] [2] [3] منتخب جلد اول فصل فی احکام البیعۃ [4] منتخب جلد اول ص ۶۸ [5] بیعۃ تقویٰ کے متعلق بخاری کے ابواب ذیل دیکھیں۔ باب البیعۃ علی اقام الصلوٰۃ۔ باب البیعۃ علی ایتاء الزکوٰۃ باب کیف یبایع الامام الناس۔ [6] منتخب جلد اول ص ۶۲ مسلم کے ابواب ذیل دیکھو۔ باب استحباب مبایعۃ الامام الجیش عند ارادۃ القتال۔ باب المبایعۃ بعد فتح مکہ علی الاسلام والجہاد والخیر
بخاری کے باب ذیل دیکھیں۔ باب البیعۃ فی الحرب علی ان لا یفروا۔

[7] بخاری ص ۱۰۶۹۔

بیعۃ اسلام ۔ اس کی نسبت بھی حدیث اُوپر مذکور ہوئی ۔ مسند احمد میں ہے ۔ کہ مرد عورتیں چھوٹے بڑے نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ اور شہادت اور اسلام پر بیعت کرتے [۱]

بیعۃ خلافت و اطاعۃ ۔ اس کے متعلق بخاری کا باب کیف یبایع الامام الناس دیکھیں ۔ ابنِ عمر سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کی سمعۃ اور اطاعت پر بیعت کیا کرتے ہیں [۲] ۔ اس کے متعلق صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں بھی حدیثیں مروی ہیں ۔ چاروں خلیفوں سے لوگوں نے سمعۃ طاعۃ سنتہ اللہ اور سنتہ رسول اللہ پر بیعت کی [۳] حضرت عبد اللہ ابنِ عمر نے عبد الملک کو خلیفہ بننے پر یہ لکھ بھیجا تھا ۔ انی اُقِرُّ بالسمعۃ والطاعۃ لعبد الملک امیر المومنین علی سُنتہ اللہ وسنۃ رسولہ فیما استطعت وان بنی قد اقروا بذالک [۴] مسند احمد میں ہے کہ جو امام کے بغیر مرتا ہے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے [۵] ۔ بیعۃ خلافت کی ان حدیثوں میں سنتہ اللہ اور سنتہ رسول اللہ یعنی بیعت تقویٰ کا ذکر بھی موجود ہے ۔

بیعت ہجرت ۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت موقوف ہوئی ۔ اب بھی اگر کسی جماعت مسلمین کو مقامی حالات کی وجہ سے ہجرت کی ضرورت محسوس ہو تو وہ ہجرت کر سکتی ہے ۔ لا ہجرت بعد الفتح سے اس ہجرت کی نفی نہیں ہوتی ۔ لا ہجرت بعد الفتح کی صورت قرنِ اوّل کے ساتھ مخصوص تھی ۔ صحیحین کی حدیث ہے ۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اہلِ ہجرت کے لئے ہجرت ہو چکی ۔ اب میں اسلام اور جہاد پر بیعت لیتا ہوں [۶] ۔ بخاری میں ہے کہ مجاشع نے مع اپنے بھائی کے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم سے ہجرت پر بیعت لیجئے ۔ الخ [۷]

[۱] منتخب جلد اول ص ۶۳ [۲] بخاری ص ۱۰۶۹ ۔ بخاری کے اسی مقام پہ اور حدیثیں بھی موجود ہیں
[۳] منتخب جلد اول فصل فی احکام البیعۃ [۴] بخاری ص ۱۰۶۹ ۔ [۵] منتخب جلد اول ص ۲۶ [۶] ۔ [۷] منتخب جلد اول ص

سوال (۸) بیعت کس طرح لی جاتی ہے۔
عورتوں کی صورت میں
ج - مردوں کی صورت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھا جاتا ہے۔
اور بیعت کرنے والی
ایک لگن میں پانی ڈالتے ہیں۔ اس پانی میں بیعت لینے والا امر
سے اشارہ کر کے
عورت ہاتھ ڈالتے ہیں[۱]۔ بعض دفعہ صرف ہاتھ بڑھا کر اور ہاتھ
نے کیا تھا[۲]۔ پس ظاہر ہے کہ بیعت
عہدِ فعلی لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب
کی پختگی کے لئے ہی
لینے والا امر و عورت کا ہاتھ نہیں چھو سکتا[۳]۔ یہ عہدِ فعلی عہدِ لسانی
اور اگر اس
سوال (۹) کیا بیعتِ تقویٰ سے تجدید ایمان کی کرانا مقصود ہے۔
سے پہلے بیعتہ ہونیوالا ایمان سے عاری تھا۔
سے تجدید ایمان مقصود ہے تو کیا اس
لیکن اس سے
ج - بیعت بے شک تجدیدِ عہد اور تجدیدِ ایمان کے لئے ہوتی ہے۔
سے بے بہرہ تھا۔ قرآن میں ہے
یہ لازم نہیں آتا کہ بیعتہ ہونے والا پہلے ایمان
یہاں ایمان کی تجدید کی طرف اشارہ ہے
یا ایھا الذین آمنو آمنو باللہ و رسولہ۔
تقلیدی صورت سے نکل
اور تاکید اس امر کی ہے کہ ایمان اور بھی پختہ ہو۔ تاکہ ایمان
اور حقیقت کی طرف رجوع کر
کر تحقیق کو پہنچ جائے۔ یا مومن علم استدلالی سے عینیت
ہے اذ قال ربہ اسلم قال
جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کی نسبت قرآن شریف میں
سے پہلے حضرت ابراہیم معاذ اللہ کافر تھے -
اسلمت لرب العالمین - کیا اس
کی موجودگی میں تجدید اسلام مراد ہے۔
یہاں بھی اسلام
سوال (۱۰) بیعتِ تقویٰ مسنون ہے یا مستحب۔
جواب - بیعتہ سنت مستفیضہ ہے -

---

[۱] ابن سعد [۲] ابوداؤد - ابن مردویہ - طبرانی - ابویعلی - سنن بیہقی - سعید بن منصور
ابن سعد - عبد بن حمید - منتخب جلد اوّل ۶۸۵ -
[۳] طبرانی اوسط منتخب جلد اوّل ص ۶۷

سوال (۱۱) کیا رسول اللہ صلعم کے بعد یہ سنت جاری رہی۔

جواب :۔ ہاں جاری رہی۔ چاروں خلفائے راشدین نے سنت اللہ اور سنت رسول اللہ پر بیعت لی۔ جیسا کہ اوپر حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بیعت خلافت اور بیعتِ تقویٰ تھی۔ ان کے بعد بھی یہ سنت جاری رہی۔ آپ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے حالات پڑھیں گے تو آپ پر حقیقتِ حال کھلیلی۔ اب بھی یہ سنت جاری ہے۔ مجدد۔ ابدال۔ اقطاب اور اوتاد وغیرہ یہ بیعت لیتے ہیں۔ خلفائے راشدین کے بعد بیعتِ تقویٰ کا اعلان لوگ نہ کرتے تھے۔ بلکہ اسے ظاہر کرنا بھی باعثِ فتنہ سمجھتے تھے۔ یہ زمانہ سلطنت امویہ کا تھا۔ اگر کوئی امام کھلم کھلا بیعت تقویٰ لیتا تو سلاطینِ وقت خیال کر لیتے کہ یہ بیعت خلافت ان کے خلاف لی جا رہی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا کہ بیعت لینے والا تہ تیغ ہوتا۔ جیسا کہ اس زمانے میں لوگ ذرا ذرا سی بات پر موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے تھے۔ حجاج کی سفاکیاں اور ایام الحرۃ کی تباہ کاریاں مشہور ہیں۔ ان حالات کی موجودگی میں بیعتِ تقویٰ لینا نہنگ اجل کے منہ میں جانا تھا۔ اس لئے جو کچھ بھی ہوتا تھا اندر ہی اندر ہوتا تھا۔ اور اس کا کھلم کھلا اظہار نہ ہوتا تھا۔

سوال (۱۲) پیر و مرید کی اصطلاحیں تو نصوص میں موجود نہیں۔ یہ کہاں سے آئیں۔ یہ تو بدعت میں داخل ہیں۔

ج ۔ بیعت لینے والے کے لئے اصطلاح مرشد کی موضوع ہے۔ کیونکہ وہ رشد و ہدایت کا راستہ بتاتا ہے۔ حقیقت میں مرشد حق تعالےٰ ہے۔ کہف میں ہے کہ جسے وہ گمراہ کرے۔ اس کے لئے تو کوئی دوست رہبر نہ پائے گا[1]۔ حق تعالےٰ کے بعد مرشد رسول اللہ ہیں۔ اور ان کے بعد ہر ولی اور ہر صالح مومن جو دوسروں کی کسی بات میں

[1] ومن یضلل فلن تجد لہ ولیاً مرشداً ۔ ۱۸-۱۷

رہبری کرے۔ مرشد کہلاتا ہے۔ مرشد کو اب اُستاد۔ شیخ۔ پیر۔ رہبر یا ہادی کہتے ہیں۔
حقیقت وہی ایک ہے۔ فرق صرف نام کا ہے۔ اور نام کے فرق سے حقیقت گم نہیں
ہوسکتی۔ یہ اسماء عرف عام اور عرف خاص سے تعلق رکھتے ہیں۔ امور عرضی دعاوی پر
بدعت کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ مرید ارادہ کرنے والا ہوتا ہے۔ تلمیذ کو کوئی شاگرد کہتا
ہے۔ کوئی مرید۔ اس سے بھی حقیقت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

سوال (۱۳) کیا زمانہ نبوی میں بیعتہ کی تحریص دی گئی۔
ج۔ صحیحین میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا بایعونی یعنی میری بیعتہ کرو۔ در حالیکہ
صحابہ کی ایک جماعت آپ کے گرد تھی[۱]۔ بایعونی امر کا صیغہ ہے۔ اس سے بڑھکر
اور کیا صیغہ تحریص کا ہوسکتا ہے۔

س (۱۴) مرشد و مرید کا باہمی تعلق کس طور ہونا چاہیئے۔
ج۔ مرشد مطاع ہے۔ اور مرید مطیع۔ کیونکہ مرشد کی حیثیت استاد کی ہے اور مرید
کی تلمیذکی۔ اُستاد اور تلمیذ کا رشتہ حُب اللہ پہ مبنی ہوتا ہے۔ تلمیذ استاد سے للہ
محبت رکھتا ہے اور اس کی تعلیم کو سر آنکھوں پہ لیتا ہے۔

س (۱۵) اُستاد کی محبت کس طرح جائز ہے۔ اس کے لئے کوئی دلیل چاہیئے۔
ج:۔ مومن کی مومن سے محبّت ضروری ہے۔ قرآن میں ہے۔ جو اللہ اور
اس کے رسول اور مومنوں کا دوست بن کر رہیگا۔ وہ کامیاب رہیگا۔ کیونکہ اللہ
کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے[۲]۔ قرآن میں دوسری جگہ ہے۔ تحقیق تمہارے
دوست اللہ اور اس کا رسول اور مومن ہیں[۳]۔ سورۂ مریم میں ہے۔ جو لوگ ایمان لائے

---

[۱] مشکوٰۃ کتاب الایمان [۲] ومن یتول اللہ ورسولہ والذین آمنو فان حزب اللہ
ھم الغالبون۔ مائدہ۔
[۳] انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا۔ مائدہ۔

جنہوں نے نیک کام کئے۔ عنقریب رحمٰن ان کی محبت لوگوں میں پیدا کر دے گا[1]
مومن کی مومن سے محبت کے متعلق اور بھی آیتیں اور بہت سی حدیثیں موجود ہیں
مشکوٰۃ کا باب الحب فی اللہ و من اللہ پڑھئے[2]۔ پس ظاہر ہے کہ مومن کی مومن سے
محبت ایمان کی نشانی ہے۔ جب کہ یہ محبت للّٰہ ہو۔ مرید کی مرشد سے محبت
للّٰہ ہوتی ہے۔ اور ایسی محبت از بس ضروری ہے۔ کیونکہ حُبِ مرشد کے بغیر مرید
کہیں نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اہلِ دل کے یہاں یہ مانی ہوئی بات ہے۔ کہ جب تک مرید کو
اپنے مرشد سے جو کامل مومن ہوتا ہے اشد ترین محبت نہ ہو گی وہ کمال کو نہ پہنچیگا۔
اس حُبِ شیخ کو صوفی فنافی الشیخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب مرید کو اپنے مرشد سے
کمال درجہ محبت ہو جاتی ہے تو پھر مرید اپنی نفسانی صفات گُم کر دیتا اور مرشد کے
حُسنِ باطنی میں محو ہو جاتا ہے۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں فنا کہتے ہیں[3]۔ اس محبت
پر بہت سے بزرگوں نے شگرف آفرینی کی ہے۔ میں صرف شیخ احمد سرہندیؒ کا
قول درج کئے دیتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ”پہلے فنافی الشیخ ہے اور یہی فنافی اللہ کا
وسیلہ بن جاتی ہے۔ وہ مناسبت جو طالب و مطلوب کے درمیان فیض لینے اور
دینے کا سبب ہے۔ مسلوب ہوتی ہے۔ اس لئے راستہ جاننے والے تجربہ کار
رہبر کی ضرورت ہے۔ جو دونوں کے درمیان مثل برزخ کے ہو اور دونوں طرف سے
حظ وافر رکھتا ہو تاکہ طالب کو مطلوب تک پہنچنے کا واسطہ بن جائے اور جسقدر طالب کو مطلوب کے ساتھ مناسبت
ہوتی جائیگی اتنا ہی پیر اپنے آپ کو بیچ میں سے نکالتا جائے گا۔ اور جب طالب مطلوب
سے کمال مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔ تو پیر اپنے آپ کو بیچ میں سے نکال لیتا
اور طالب کو مطلوب سے ملا دیتا ہے۔ پس ابتداء اور درمیان میں پیر کے آئینے

[1] ان الذین آمنوا و عملوا الصٰلحٰت سیجعل لھم الرحمٰن ودا۔ [2] مشکوٰۃ کتاب الآداب ص
۴۲۶۔ [3] اس مبحث پر میری کتاب صبغۃ اللہ کے صفحات ۴۰ تا ۸۷ پڑھئے۔

کے بغیر مطلوب نظر نہیں آسکتا۔ اور انتہا میں مطلوب پیر کے وسیلہ کے بغیر جلوہ گر ہوتا ہے
اور طالب و مطلوب کے درمیان وصل عریانی نہ ونما ہوتا ہے[۱]۔ اس لئے ضروری ہے
کہ مرید اپنے اختیار کو پورے طور شیخ کے اختیار میں گم کردے۔ اور اپنے آپ
کو تمام خواہشوں سے خالی کرکے اس کی خدمت پہ کمربستہ رہے۔"[۲] حضرت
حافظ رح کیا خوب لکھتے ہیں۔ ؎

بکوئے عشق منہ بے دلیلِ راہ قدم
کہ گم شد آنکہ دریں راہ بہ رہبرے نہ رسید

مُلا طاہر غنی رح بھی حق پڑھی کی خوب داد دیتے ہیں ؎

سالک نہ رسد بے مدد پیر بجائے
بے زور کماں راہ نہ برد تیر بجائے

لیکن شرط یہ ہے کہ پیر کامل ہونا چاہیئے۔ اگر ناقص ہو تو اس سے نقصان
پہنچنے کا احتمال ہے۔ کیونکہ ایک کے نقص کا عکس دوسرے میں بھی سرایت
کرجاتا ہے۔ حافظ علیہ الرحمتہ کیا فرماتے ہیں۔ ؎

گر در سرت ہوائے وصال است حافظا
باید کہ خاکِ درگہِ اہلِ بصر شوی

دوئم ذکرِ قلبی و رُوحی

سوال (۱) سادہ ذکر اور نماز میں کیا فرق ہے۔
ج ۔ سادہ ذکر ذکر مطلق ہے اور نماز ذکر مقید۔ ذکر مقید یعنی نماز بھی ذکر
مطلق کے لئے موضوع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واقمِ الصلوٰۃ لذکری[۳]۔ یہ
حکم حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو ہوا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ذکر اور نماز دو مختلف

---

[۱] مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوبات ۱۶۹ ؛ ۱۶۹ - [۲] مکتوبات ۲۸۶ ص ۲۶۲ -
[۳] انني انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدني و اقم الصلوٰۃ الذکری - طٰہٰ - ۲۰ - ۱۴ -

چیزیں ہیں۔اس کے علاوہ قرآن میں بہت سی ایسی آیتیں موجود ہیں۔جن سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر نماز سے ایک مختلف اصطلاح ہے[۱]

س (۲) پھر کیا نماز سے کمال حاصل ہوتا ہے۔یا ذکر مطلق سے۔

ج۔نماز فرض ہے۔اس کا ادا کرنا تو ہر حال میں ضروری ہے بجز اس حالت کے جب کہ سالک مدہوشی اور سکر میں گرفتار ہو۔نماز بھی ذکر کی ایک صنف ہے۔اور وہ ذکر مقید ہے۔ذکر مطلق ان قیود سے آزاد ہے۔جو نمازیں عابد کی جاتی ہیں۔فرائض پنجگانہ کی ادائیگی پر وہ کم سے کم فلاح مرتب ہوتی ہے جس سے انسان جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔گو کہ اسے وہاں آخری درجہ ہی ملے۔اس سے زیادہ درجہ حاصل کرنے کے لئے نوافل کا ادا کرنا ضروری ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث قدسی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ میرا بندہ فرض سے جس سے زیادہ پسند اور مجھے کچھ نہیں۔میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے تا آنکہ میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان جس سے سُنتا ہے اس کی آنکھ جس سے دیکھتا ہے اس کا ہاتھ جس سے پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے چلتا ہے ہو جاتا ہوں[۲]۔اس حدیث سے ظاہر ہے کہ بقا باللہ اور فنا فی اللہ کا مرتبہ جس کی طرف اللہ کے کان آنکھ ہاتھ پاؤں کے بننے سے اشارہ کیا گیا ہے۔نوافل سے حاصل ہوتا ہے۔اور ذکر اللہ بہترین نفل ہے۔ذاکروں کو مفرّدوں کا لقب دیا گیا ہے۔مفرّدون وہ ہوتے ہیں جنہیں عبادت و زہد کے مقام میں تفرید حاصل ہو۔جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔ایک بار آپ مجدان کے پہاڑ سے گذر رہے تھے۔آپ نے فرمایا کہ چلے چلو۔یہ تو جمدان ہے۔مفرّدون سبقت لے گئے۔ساتھیوں نے

---

[۱] دیکھو آیت ۶۲-۱۰۔ [۲] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ۔

عرض کی یا رسول اللہ مُفرِّدون کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کو بہت یاد کرنے
والے مرد اور عورتیں[1] مسند احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ اور موطا مالک میں ہے
کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں۔ جو تمہارے
تمام عملوں سے بہتر۔ تمہارے مالک کے یہاں زیادہ پاک۔ تمہارے درجوں
کو زیادہ بلند کرنے والا۔ سونا چاندی کے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے
افضل۔ اور تمہارے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے سے بھی بہتر ہے۔
در حالیکہ تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے عرض
کی۔ فرمائیے۔ آپ نے کہا کہ اللہ کا ذکر[2] مسند احمد اور ترمذی میں ہے کہ ایک
اعرابی نے رسول اللہ صلعم سے عرض کی کہ کونسا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا
کہ جب تو دنیا سے رخصت ہو تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو[3] ترمذی
ابن ماجہ اور موطا امام مالک میں ہے کہ کوئی عمل ذکر اللہ سے زیادہ عذاب
سے نجات دینے والا نہیں[4] مسند احمد میں ہے کہ میرے بندوں میں سے میرے
دوست اور میری خلقت میں سے میرے پیارے وہ لوگ ہیں۔ جو میرا ذکر کرتے
ہیں۔ اور میں ان کا ذکر کرتا ہوں[5]۔ اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثیں اور آیتیں
ہیں۔ جن سے ذکر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے[6] سورۂ رعد میں ہے کہ دیکھو
اللہ کے ذکر سے ہی تو دل اطمینان پاتے ہیں[7]۔ اطمینان انسان کا بڑا بھاری
کمال ہے۔ پس جب اطمینان قلب ذکر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو پھر صاف
ہے کہ انسان ذکر کے بغیر کامل نہیں ہو سکتا۔

س (۳۱) نماز کو چھوڑ کر ذکر مطلق کی کے قسمیں ہیں
ج۔ لسانی۔ قلبی۔ روحی

لہ ۲ہ ۳ہ و ۴ہ مشکوٰۃ باب ذکر اللہ ۵ہ منتخب جلد اول ص ۱۴۷۔ فصل فی مجاز الایمان ۶ہ منتخب
جلد اول۔ الباب الاول فی ذکر۔ ۷ہ الذین آمنوا وتطمئن قلوبهم بذکر اللہ تطمئن القلوب ۱۳ - ۲۸۔

س (۴) کیا ان اذکار کے متعلق نصوص موجود ہیں۔

ج - ہاں - ذکر لسانی تو ظاہر ہے - ذکر نفسی کے متعلق قرآن میں ہے - واذکر ربک فی نفسک الآیہ[1] صحیحین کی حدیث قدسی ہے کہ جب میرا بندہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں[2] - ذکر قلبی اور ذکر روحی کا جداگانہ ذکر نصوص میں موجود ہے۔ مسند احمد - ابن حبان اور شعب الایمان بیہقی میں ہے کہ بہترین ذکر ذکر خفی ہے[3] ذکر خفی میں ذکر قلبی اور ذکر روحی دونو داخل ہیں - اسی لئے کہا گیا ہے کہ ذکر اللسان لقلقۃ و ذکر القلب وسوسۃ و ذکر الروح راحۃ۔

س (۵) ذکر قلبی اور روحی کی فضیلت ذکر لسانی پر کیوں ہے۔

ج - قلب اور روح کا تعلق براہ راست روح ربّی سے ہے - جو انسانی روح کا مصدر و منبع ہے - زبان کو عالم شہود کے ساتھ زیادہ تعلق ہے - کیونکہ وہ جسمیت سے ملوث ہے - قلب اور روح چونکہ لسان سے افضل ہیں اس لئے اُن کا ذکر لسان کے ذکر سے افضل ہے - اس کے علاوہ ذکر دائمی کو ذکر غیر دائمی پر فضیلت ہے - ذکر دائمی کے متعلق صحیح مسلم میں ایک جداگانہ باب باندھا گیا ہے - حدیث کے کچھ الفاظ یہ ہیں - رسول اللہ کا فرمان ہے کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے - اگر تم ہمیشہ اس حالت میں رہو جس حالت میں کہ تم میرے پاس ہوتے ہو - اور اگر تم ہمیشہ ذکر میں رہو تو فرشتے تمہارے فرشوں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کریں - لیکن اے حنظلہ یہ حالت کبھی کبھی ہوتی ہے[4]

---

[1] اعراف ۲۰۵-۷ ۔ [2] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ ۔ فان ذکرنی فی نفسی ذکرتہ فی نفسی [3] حیر الذکر الخفی بحنب جلد اول ص ۲۲۶ ۔ [4] مشکوٰۃ باب ذکر اللہ - مسلم جلد ۲ - ص ۳۴۴ - باب دوام الذکر والفکر فی الآخرۃ والمراقبہ۔

ذکر لسانی دائمی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ زبان جب دوسرے کاموں میں مشغول ہوتی ہے۔ یا انسان خواب میں منہمک ہوتا ہے تو اس وقت وہ معطل ہو جاتی ہے۔ ذکر روحی اور قلبی ہر حالت میں جاری رہ سکتا ہے۔ باتیں کرتے ہوئے بھی اور سوتے ہوئے بھی جیسا کہ قرآن میں ہے۔ بالتحقیق آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور دن رات کے یکے بعد دیگرے آنے میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں پر یاد کرتے ہیں[1] یہاں ذکر سے ذکر مطلق مراد ہے۔ نہ کہ ذکر مقید جیسا کہ باب اول میں اس پر بحث کی گئی ہے[2]۔ صحیح بخاری میں ہے تنام عینی ولا ینام قلبی۔ دل کی بیداری سے اسی ذکر روحی و قلبی کی طرف اشارہ ہے۔ پس ذکر قلبی و روحی ذکر لسانی سے افضل ہے۔

آتش داغ جنوں از سنگ طفلاں مے خورند
یک نفس غافل نیند از کار خود دیوانہا

س (۶) ذکر قلبی و روحی کس طرح ادا ہوتا ہے۔

ج۔ ان اذکار کا طریق نصوص میں کہیں بھی مذکور نہیں۔ ان کی تعلیم مرشد کامل ہی دے سکتا ہے۔ جب کہ اس سے بیعت کی جائے۔

سوئم تجلی ذاتی و صفاتی

س (۱) تجلی سے کیا مراد ہے۔ اسکی کے قسمیں ہیں۔

ج۔ تجلی کی مختلف قسمیں ہیں۔ تجلی صفاتی۔ تجلی صوری۔ تجلی شیونی تجلی ذاتی۔ تجلی جلا ہے اس کے لغوی معنی ظاہر کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے لا یجلیھا لوقتھا الا ھو[3]

---

[1] ۳۔ ۱۸۹ و ۱۹۰۔ الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبھم الآیہ۔

[2] باب اول نقرہ ۳۰۔ [3] اعراف ۷۔ ۱۸۷۔

یہ قیامت کے متعلق ہے۔ کوئی قیامت کو سوائے اللہ کے ظاہر کرنے والا نہیں۔ سورۂ لیل میں ہے والنہار اذا تجلّٰی[1]۔ یہاں بھی تجلی سے دن کے ظاہر و روشن ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اسی سے تجلی کا اصطلاحی معنی ماخوذ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ اپنے مومن بندے پر کسی شان، کسی اسم، کسی صورت کسی صفت میں یا ذات کے لحاظ سے جلوہ گر ہو۔ تجلی ذاتی سے حضرت ذات کا وہ حضور مراد ہے جو اسماء وصفات شیون وصور کی وساطت کے بغیر ہو۔ جو تجلی طور پہ موسیٰ علیہ السلام کو ہوئی، وہ تجلی ذاتی تھی اور ذاتی بھی ایسی جو تمام اعتبارات سے آزاد تھی۔ اسی لئے موسےٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ جب اس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا[2]۔ ایسی تجلی بالکل نادر ہے کسی صورت میں کسی صفت میں کسی شان میں اللہ کا تجلی ہونا تجلی صوری صفاتی وشیونی کہلاتا ہے۔ قرآن میں ہے ہم عنقریب اس کو دکھائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں اور انفس میں[3]۔ آفاق اور انفس کی نشانیاں بھی تجلی صوری فعلی، شیونی، صفاتی وغیرہ میں آتی ہیں۔ اور تجلی ذاتی سے بہت اُتر کر ہیں۔ سورۂ انعام میں ہے اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے رموز و اسرار[4]۔ یہ بھی تجلی ذاتی سے اُتر کر ہے۔ طبرانی میں ہے کہ میں نے اپنے پروردگار کو بہترین صورت میں دیکھا[5]۔ یہ تجلی صوری تھی۔

س (۲) یہ تجلی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔

---

[1] ۹۲-۲ [2] فلما تجلّٰی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا اعراف ۷-۱۴۳-

[3] سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حٰمٓ اسجدہ ۴۱-۵۳-

[4] وکذالک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض انعام ۶-۷۶

[5] منتخب جلد اول ص ۱۱۲- الباب الثالث فی لواحق کتاب الایمان

ج۔ اس کا حل کسی کامل مومن سے پوچھیئے۔ جو آپ کا مرشد و رہبر ہو۔

س (۳) کیا اس تجلی کے حصول کے لئے کسی وظیفہ کی ضرورت ہے؟

ج۔ ہاں وہ ذکر قلبی و رُوحی ہے۔

س۔ (۴) تجلی ذاتی کس وقت رُونما ہوتی ہے

ج۔ جب سالک تمام منازل سلوک طے کرے۔ یہ شیخ کامل کا کام ہے۔ جو سالک کو بتدریج راستے پر چلاتا اور اسے مختلف قسم کی تجلیوں سے گذار کر تجلی ذاتی تک لے جاتا ہے۔

س (۵) کون سی تجلی اتم و اکمل ہے۔ اور وہ کب اتم و اکمل ہوتی ہے۔

ج۔ ایسی باتیں پوچھنے سے کچھ مطلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ باتیں پوچھنے کی نہیں ہیں۔ حاصل کرنے کی ہیں۔ میں اس قدر بتا دیتا ہوں کہ تجلی ذاتی اس وقت اتم و اکمل ہوتی ہے جب کہ حضرتِ ذات کا حضور دائمی ہو جائے۔ جیسا کہ ذکر روحی دائمی ہوتا ہے۔ یہ بہت اُونچی بات ہے۔ اس کا حل اسی وقت ہوتا ہے۔ جب کہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ کا راز سالک پر کھُلے۔ یہ باتیں کامل اُستاد کی رہبری کے سوا حاصل نہیں ہوتیں۔

چہارم۔ الہام

س (۱) الہام کی حقیقت بتایئے۔

ج۔ لسان العرب میں ہے والالہام ما یلقیٰ فی الروع ویستلہم اللہ الرشاد۔ والہم اللہ فلاناً وفی الحدیث اسئلک رحمۃ من عندک تلھمنی بھا رشدی۔ الالہام ان یلقی اللہ فی النفس امراً یبعثہ علی الفعل او الترک وھو نوع من الوحی یخص اللہ تعالیٰ بہ من یشاء من عبادہٖ یعنی الہام وہ ہے جو دل میں ڈالا جائے۔

وہ اللہ سے ارشاد کا الہام چاہتا ہے۔ اَلۡہَمَنِی فلاں کو الہام کیا۔ حدیث میں ہے میں تم سے رحمت مانگتا ہوں کہ تو اس کے ذریعے مجھے رُشد کا الہام کرے۔ الہام یہ ہے کہ اللہ دل میں ڈال دے کوئی بات جو اسے برانگیختہ کرے۔ فعل پر یا ترکِ فعل پر اور یہ وحی کی ایک قسم ہے جس سے اللہ خاص کرتا ہے اس کو جسے چاہتا ہے۔ مجمع البحار میں بھی الہام کی تشریح یہ ہے۔ اسئلک رحمت من عندک تلھمنی رشدی۔ الالھام ان یلقی اللہ فی النفس امر یبعثہ علی الفعل اوالترک وھو نوع من الوحی یخص اللہ بہ من یشاء من عبادہ۔

س (۲) الہام کی قسمیں بتایئے اور اس کے متعلق نصوص پیش کیجئے

ج :- الہام کی چار قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں :-

اوّل : تحدیث۔ جو کلام پردۂ غیب سے نبی پر اُترے اُسے وحی کہتے ہیں۔ اگر یہی ولی پر اُترے تو اُسے اصطلاح میں تحدیث کہتے ہیں۔ بعض جگہ اس تحدیث کو وحی کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن میں ہے واذا اوحیت الی حوارین ان اٰمنوابی وبرسولی[1] دوسری جگہ ہے اوحینا الی اُم موسیٰ ان ارضعیہ[2]۔ حدیث میں بھی تحدیث کا ذکر موجود ہے۔ قد کان فی من قبلکم من الامم محدثون فان یک فی اُمتی احد فعمر[3] یعنی تم سے پہلی اُمتوں میں محدث ہوا کرتے تھے میری اُمت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ قرأت ابنِ عباس میں ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث الآیہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی اور نہ کوئی محدث یہ قرأت غیر متواتر ہے اور قرأت غیر متواتر مشہور حدیث کے برابر ہوتی ہے۔

دوئم: فرشتہ کسی صورت غالباً انسان کی شکل میں آکر بات کرے اور ولی سُنے

---

[1] مائدہ ۵-۱۱۱ [2] قصص ۲۸-۷ [3] مشکوٰۃ باب مناقب عمرؓ صحیحین۔

جیسا کہ قرآن میں ہے۔ واذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ اصطفاک الخ[1] دوسری
جگہ ہے فارسلنا الیھا روحنا[2] ایک اور مقام پہ ہے۔ واذ قالت الملائکۃ یا مریم
ان اللہ یبشرک[3] فرشتے اس طرح دوسرے ولیوں سے بھی باتیں کرتے اور ان کو
خبریں پہنچاتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کے حکم سے اور رسول اللہ صلعم کی
وساطت سے ہوتا ہے۔ اگر فرشتے اسی طرح نبیوں سے کلام کریں تو یہی وحی کہلاتی ہے

سوئم :۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا ان روح القدس نفث فی روعی
یعنی روح القدس نے میرے دل میں پھونک دیا ہے۔ یہ وحی کی ایک قسم ہے۔
حضرت علی سے روایت ہے کہ ہم اس بات کو بعید نہ سمجھتے تھے کہ سکینۃ عمر کی زبان
پہ بولتی ہے[4]۔ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سچ کو عمر کی زبان
پہ رکھ دیا ہے[5]۔ اس قسم کی الہامی کیفیت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ولی جو کچھ بولنا چاہتا ہے
وہ حق کی طرف سے بولتا ہے ؎

آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم
از پسِ آئنہ طوطی صفتم داشتہ اند

ایسے کامل مومن کی زبان پہ حق جاری ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہو بہو
درست ہوتا ہے۔

ارم۔ مسندِ احمد۔ شعب الایمان بیہقی اور ترمذی میں ہے وان الداعی من فوقہ
ہو واعظ اللہ فی قلب کل مومن[6] یعنی مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ایک واعظ ہوتا ہے۔ یہ بھی الہام کی ایک قسم ہے۔ اور حدیث میں ہے۔
شیطان سے ایک لمہ ابنِ آدم کے لئے ہے۔ اور ملک کے لئے بھی ایک لمہ ہے
شیطان کا لمہ شر کا ایعاد اور حق کی تکذیب ہے۔ ملک کا لمہ خیر کا ایعاد اور حق کی تصدیق

---

۱ آل عمران ۳-۴۱۔ ۲ مریم ۱۹-۱۷ تا ۲۲ ۳ ۳-۴۴۔ ۴ مشکوۃ باب التوکل والصبر۔ ۵۔ ۶ مشکوۃ باب مناقب عمر۔ ۶ مشکوۃ باب اعتصام بالکتاب والسنۃ۔

ہے[۱]۔ اس سے ظاہر ہے کہ الہام شیطانی بھی ہوتا ہے اور رحمانی بھی۔ شیطانی الہام اولیائے شیطان کو ہوتا ہے اور رحمانی الہام اولیائے رحمان کو۔ فالھمہا فجورھا وتقوھا الآیہ

سوال (۳) آپ نے یہ قسمیں الہامِ خیر کی بیان کی ہیں۔ کیا آپ کے پاس ایسے نصوص ہیں جن سے الہام شر کی بھی تفصیل معلوم ہو سکے۔

ج ۔ ہاں۔ الہامِ شر کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔

اوّل: تحدیث جیسا کہ الہامِ خیر میں ہے۔ صحیحین میں ہے تلک الکلمت من الحق یخطفہا الجنی فیقرھا فی اذن ولیہ قر الزجاجۃ فیخلطون فیہا اکثر من مائۃ کذبۃ[۲]۔ یہ کلمہ حق ہے جس کو جن اڑا لیتا ہے اور اس کو اپنے دوست کے کان میں ڈالتا ہے۔ جس طرح کہ آبگینے میں کچھ ڈالا جاتا ہے۔ سو کاہن اگے ہے سو سینکڑوں جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ فرشتے بادل میں اترا اور مجھے اس امر کا جو آسمان میں طے ہو چکا ہو ذکر کرتے ہیں شیاطین یہ خبریں چوری کے سن پاتے ہیں اور کاہنوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔ وہ اس میں اپنی ط

سینکڑوں جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ فرشتے بادل میں اترتیت اور اس امر کا جو آسمان میں طے ہو چکا ہو۔ ذکر کرتے ہیں۔ شیاطین یہ خبت چوری سن پاتے ہیں۔ اور کاہنوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔ وہ اس میں ا

سے سینکڑوں جھوٹ ملا دیتے ہیں[۳]۔ یہ اولیاء شیطان کی طرف الہام کی قسم سے ہے

دوئم۔ خطاب شیطانی۔ یہ خطاب ملکی کے مقابل پر ہے۔ سورۂ انفال میں ہے کہ جب شیطان نے ان کو ان کے اعمال اچھے کر دکھائے۔ اور کہا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج کے دن تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اور بالتحقیق میں تمہارا رفیق ہوں الخ[۴]

---

[۱] مشکوٰۃ باب الوسوسہ۔ ترمذی [۲] مشکوٰۃ باب الکہانۃ۔ صحیحین۔ [۳] مشکوٰۃ باب الکہانت۔ فتوجیہ الی الکہانۃ۔ [۴] ۸ - ۴۸